یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ھیں

مو منین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ھیں۔

منجانب۔

سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدرآباد پاکستان

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ھیں

مو منین بھی اس سے استفادہ حاصل کر سکتے ھیں.

منجانب.

سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان

حضرت ابوبکرؓ کی حیات و کردار
شیخ سقیفہ
علی اکبر شاہ
حمایتِ حق پبلیکیشنز
۱۰

عنوانات

عنوانات

پیش لفظ

ابوبکرؓ بن ابوقحافہ مسلمانوں کی سب سے بڑی اور قابلِ احترام شخصیت کا نام ہے کہتے ہیں کہ یہ انبیاء کے بعد کائنات کی سب سے بہتر مخلوق ہیں۔ اتنی عظمتوں والا انسان تو قیامت تک نہیں پیدا ہو سکتا مگر ہم نے جو پڑھا اور غور کیا تو کچھ اور ہی نظر آیا۔ دراصل جناب ابوبکرؓ کے بارے میں یہ اندازِ فکر عقیدہ کی مجبوری ہے، اور یہ عقیدہ بھی خوب ہے کہ رسول اللہ نے کہا اللہ اور اس کے رسول کا کلمہ پڑھو مگر یہ کہتے ہیں کہ ہم صحابہ کا بھی کلمہ پڑھیں گے اور انہی میں سے بعض تو یزید بن معاویہ کا بھی کلمہ پڑھتے ہیں، حالانکہ یہ نام کب کا داخلِ دشنام ہو چکا۔ یہ جس کا دل چاہے، کلمہ پڑھیں۔ دل کے معاملات بڑے نازک ہوتے ہیں۔ اس میں بہت سوچ سمجھ کر دخل دینا چاہیئے ہمیں کیا ضرورت ہے کہ اس میں الجھیں مگر اتنا ضرور عرض کریں گے کہ عظمتِ صحابہ کو ایمانیات کا مسئلہ نہ بنایئے کہ اس سلسلہ میں کوئی نص صریح موجود نہیں ہے۔

مسلمانوں کے نزدیک صحابی کا لفظ اتنا سستا ہے کہ جس نے کلمہ پڑھنے کے بعد رسول اللہ کی ایک مرتبہ بھی زیارت کر لی اور مرتے دقت تک کلمہ پر قائم رہا وہ صحابی ہو گیا اور صحابی ہونے کے ساتھ ہی اِسے اتنی عظمتیں نصیب ہو گئیں کہ ایک روشن ستارہ بن گیا۔ اب مسلمان ان میں سے جس ستارے سے چاہیں راہِ ہدایت تلاش کر لیں اور یہ نہ سوچیں کہ فلاں صحابی عالم ہے یا جاہل ایک بدو صحرا نورد ہے یا مکہ و مدینہ کا مستقل باشندہ کسی قبیلہ کا سردار ہے یا کوئی عام آدمی تاجر ہے یا مزدور، آقا ہے یا غلام، کیونکہ صحابی صحابی ہے، چاہے اس کا تعلق معاشرے کے کسی طبقہ سے ہو

اس فراخ دلی کا نتیجہ یہ نکلا کہ صحابیوں کی تعداد ایک لاکھ سے بھی اوپر ہو گئی۔ ان میں اچھے اور بُرے متقی اور فاسق بھی اور بخیل بہادر اور بزدل، عالم اور جاہل، غرضیکہ سبھی طرح کے لوگ ہوں گے ـــــ ہمیں نہیں معلوم کہ کوئی ذی شعور اس کے علاوہ بھی کچھ سوچ سکتا

ہے کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں کہ لاکھوں کی بھیڑ جو کہ مختلف حالات و کیفیات کے تحت اسلام لائی تھی رسول کی ایک جھلک دیکھتے ہی تمام انسانی کمزوریوں سے دُور ہوگئی ہو۔ اس صورتِ حال کا ایک پہلو قرآن پیش کر رہا ہے۔

بدوؤں نے کہا، ہم ایمان لائے (اے رسول) کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے لیکن تم (یہ) کہو (کہ) ہم اسلام لائے اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔ (الحجرات، آیت ۱۴)

بعض صحابی تو رسول اللہ کے بہت قریب تھے مگر ان قربت رکھنے والوں میں بھی بڑا فرق تھا، کچھ تو ایسے تھے کہ جنہوں نے رسول اللہ کے ہر حکم پر سرِ تسلیم خم کیا، کبھی رسول کی آواز پر آواز نہیں بلند کی، میدانِ جہاد میں کبھی پیٹھ نہیں پھیری۔ رسول سے جو کچھ سنا اُسے گرہ میں باندھ لیا اور ہمیشہ اس پر عمل کیا۔ ان کے پیشِ نظر صرف اطاعتِ رسول تھی۔ ان حضرات میں سرِ فہرست سلمان، ابوذر، عمار یاسر اور مقداد تھے۔

رسول اللہ کے قریب رہنے والوں کا ایک اور گروہ بھی تھا جس کے اپنے منصوبے تھے اپنی مصلحتیں تھیں لیکن بظاہر شمعِ رسالت کے پروانہ بنے ہوئے تھے۔ اس کے سرخیل حضرت ابوبکر اور عمر بن خطاب تھے، حضرت عمر کے بارے میں ہماری ایک کتاب "مقامِ عمر" شائع ہو چکی ہے اور اب ابوبکر کے بارے میں "شیخ سقیفہ" پیش خدمت ہے۔

اس کتاب میں ہم نے حضرت ابوبکر کے بارے میں بے لاگ گفتگو کی ہے۔ اس گفتگو سے کسی کی دل آزاری مقصود نہیں، اور دل آزاری کی کوئی بات بھی نہیں ہے کہ ہم صحابہ کی حقیقت بتا چکے ہیں، چنانچہ ابوبکر کی کوئی دینی حیثیت نہیں تھی کہ ان پر تحقیق اور بے لاگ گفتگو کرنا جرم ہو یا اس سے دین میں نقص پیدا ہوتا ہو۔

تاریخ کسی کو معاف نہیں کرتی اور معاف بھی کیوں کرے اس کا تو کام ہی یہ ہے کہ ماضی کی سچائیوں کو پیش کرے تاکہ حال اور مستقبل سنور سکے، تاریخ نے ہر علاقہ اور ہر دور کی جہاں تک رسائی ہو سکی، سچائی پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ تاریخ کے ہر پہلو پر تحقیق ہوتی رہی ہے ہر شخصیت زیرِ بحث آتی رہی ہے اور آتی رہے گی، لہٰذا جناب ابوبکر کی ذاتِ گرامی پر بھی تحقیق

گفتگو ضروری ہے بلکہ پاکستان میں تو سب سے زیادہ ضروری ہے کہ یہاں مسلم تاریخ کے نام پر جھوٹ تعلیم کیا جاتا ہے اور تقسیم کاری کے یہ فرائض صرف مولوی ہی ادا نہیں کرتا بلکہ ملک کی ہر چھوٹی بڑی درسگاہ میں یہ فرض باقاعدہ منصوبہ بندی کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے۔

حضرت ابوبکر کو تو سُنی علماء بعد از انبیاء کائنات کی سب سے بڑی شخصیت کہتے ہیں مگر یہ معلوم نہیں کہ وہ دِل سے بھی ایسا سمجھتے ہیں یا نہیں مگر سُنی عوام کے دلوں میں انہوں نے یہ بات ضرور آباد دی ہے، دوسری طرف شیعہ علماء جناب ابوبکر کے مقام کا تعین صرف مذہبی حوالہ سے کرتے ہیں۔ خاص طور سے علی بن ابی طالب اور فاطمہ بنتِ رسول پر ان کے مظالم کے اندھیرے میں ان کی شکل دیکھتے ہیں ہم سمجھتے ہیں کہ اگر انہیں ایک عام دنیاوی حکمراں کی حیثیت سے دیکھا جائے تو بات نہایت سادہ اور آسان سی نظر آئے گی اور ان کے مقام کا صحیح تعین کرنے میں انصاف ہو سکے گا۔

ہم نے اس کتاب میں حضرت ابوبکر کو اِسی نظر سے دیکھا ہے۔ لہٰذا ہم نے یہ کہنے کی جسارت کی ہے کہ اسلام کے ساتھ اِن کی وابستگی میں ان کے سیاسی عزائم کی جھلک شروع ہی سے نظر آتی ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان میں نکھار آتا چلا گیا اور جب رسول کا وقتِ آخر قریب ہوا تو ان کے عزائم کھُل کر سامنے آ گئے اور ان کے طرزِ عمل سے بے مروّتی ظاہر ہونے لگی اور وہ رسول اللہ کے رحلت فرماتے ہی بالکل اِسی طرح سے حکومت حاصل کرنے کے لئے جھپٹ پڑے کہ جس طرح عام طور پر بادشاہت کے دور میں ہوا کرتا تھا کہ چاہے بیٹا ہی کیوں نہ ہو، اِسے باپ کے جنازے سے زیادہ اس کی چھوڑی ہوئی بادشاہت سے دلچسپی ہوتی تھی ـــــ تو پھر یہ شیعہ حضرات کا گلا شکوہ کیسا کہ ابوبکرؓ رسولؐ اللہ کی میت کو چھوڑ کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ حصولِ خلافت کے لئے سقیفہ بنو ساعدہ چلے گئے۔ علی بن ابی طالب کا حق غصب کر لیا اور اپنی خلافت کو مستحکم کرنے کے لئے جبر و تشدد سے کام لیا، بنتِ رسول کے گھر پر یلغار کر دی، دروازہ کو آگ لگا دی، انہیں باپ کے ورثہ سے محروم کر دیا ـــــ تخت حاصل کرنے کے لئے تو اورنگ زیب عالمگیر جیسا پابندِ شریعت سُنی مسلمان اپنے

بوڑھے باپ کو قید خانہ میں ڈلوا دیتا ہے، بڑے بھائی سے خونریز جنگ لڑتا ہے اور چھوٹے بھائی کو مہمان بلاتا ہے اور دھوکے سے گرفتار کروا تا ہے، پھر آنکھوں میں لوہے کی گرم سلائی پھروا کر اندھا کر دیتا ہے اور اسے قید تنہائی میں ایڑیاں رگڑنے کے لئے چھوڑ دیتا ہے

ابوبکر نے صرف تخت ہی حاصل کرنے کے لئے بے رحم بادشاہوں کی سنت پر عمل نہیں کیا بلکہ آپ کے عمومی رویہ حکمرانی میں بھی مطلق العنان بادشاہوں کی جھلک نظر آتی ہے۔ بعض موقعوں پر تو آپ ہلاکو خان اور چنگیز خان کے فیصلے والے لگتے ہیں۔

ہم نے اس کتاب "شیخ سقیفہ" میں مستند حوالوں اور مضبوط دلیلوں کے ساتھ جناب ابوبکر کے اسی رُخ کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے ہمیں امید ہے کہ ہم اس حد تک تو کامیاب ہوئے ہیں کہ انصاف پسند اور روشن خیال قاری حضرت ابوبکر کو کائنات کی سب سے بڑی شخصیت (بعد از انبیاء) سمجھنے کی حماقت نہیں کرے گا اور انہیں کوئی دینی حیثیت دینے میں بھی ہچکچائے گا، اگر بات سیاسی حوالہ سے ہوگی تو انہیں مطلق العنان بادشاہوں کی صف میں کھڑا کر کے اِن کے مقام کا تعین کیا جائے گا۔

علی اکبر شاہ
جولائی ۱۹۸۹ء

خاندانی حالات

نام | حضرت ابوبکر کا اصل نام عبدالکعبہ تھا یہ نام تو ان کے والدین نے رکھا تھا مگر اسلام قبول کرنے کے بعد رسول اللہ نے اِن کا نام بدل دیا اور عبداللہ رکھ دیا۔ آپ کا شجرہ نسب اس طرح ہے۔

ابوبکر بن عثمان ابوقحافہ بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوئی

مرہ پر پہنچ کر آپ کا سلسلہ نسب رسول اللہ سے مل جاتا ہے۔

والد محترم | آپ کے والد محترم عثمان ابوقحافہ تھے، عام کفار مکہ کی طرح یہ بھی بت پرستی کرتے تھے۔ بیٹے نے اسلام قبول کر لیا تو انہوں نے کوئی پرواہ نہیں کی مفلسی کا یہ عالم تھا کہ عبداللہ بن جدعان کے دستر خوان کی مکھیاں اُڑاتے تو روٹی نصیب ہوتی۔ آخر عمر میں بینائی جاتی رہی تھی اس کے باوجود حضرت ابوبکر نے انکی کچھ اچھی کفالت نہیں کی ہجرت کی تو ساری دولت لیتے گئے۔ ابوقحافہ فکر مند ہوئے تو ان کی پوتی نے ہاتھ پکڑا اور ٹھیکروں کے ایک ڈھیر پر لے گئی جس پر ایک چادر ڈال دی گئی تھی، پوتی نے دادا کا ہاتھ ٹھیکروں پر رکھ کر یقین دلایا کہ دولت موجود ہے، جب مکہ فتح ہو گیا تو آپ نے بھی اور دوسروں کی طرح اسلام قبول کر لیا۔

والدہ محترمہ | ان کا نام سلمیٰ بنت صخر بن عامر تھا، کنیت اُم الخیر تھی۔ یہ حضرت ابوقحافہ کے چچا کی بیٹی تھیں۔

القاب | عتیق اور صدیق یہ دو القاب مشہور ہیں، صدیق کا لقب تو مسلمانوں کو اتنا پسند آیا کہ وہ بغیر اس کے نام ہی نہیں لیتے، یہ القاب کس نے عطا کئے اس کی مختلف روائتیں ہیں۔

عتیق کے بارے میں ایک روایت تو یہ ہے کہ یہ لقب رسول خدا نے عطا کیا تھا اور دوسری روایت کے مطابق والدہ نے آپ کی پیدائش کے وقت خانہ کعبہ میں سلامتی کی خصوصی دعا کی تھی کیونکہ آپکے بچے زندہ نہیں رہتے تھے۔ دعا کے الفاظ یہ تھے کہ اے معبود یہ بچہ موت سے عتیق (آزاد) ہے چنانچہ آپکا لقب عتیق پڑ گیا۔

صدیق کے لقب کی وجہ مورخین و محدثین نے یہ بتائی ہے کہ حضرت ابوبکر نے سب سے پہلے رسول اللہ

کی رسالت کی تصدیق کی اور بعض کے مطابق شب معراج کی صبح کو واقعہ معراج کی تصدیق کی مگر حضرت ابوبکر تصدیق رسالت میں تنہا نہیں ہیں خود سُنی مسلمانوں کا یہ کہنا ہے کہ بڑوں میں ابوبکر عورتوں میں خدیجہؑ بچوں میں علیؑ سب سے پہلے ایمان لائے اس طرح یہ سب ہی صدیق کے لقب کے مستحق قرار پاتے ہیں۔

اس سلسلہ میں دوسرے قابلِ غور پہلو بھی ہیں۔ ایک تو حضرت ابوبکر کا سابق الاسلام نہ ہونا (کہ جس کے بارے میں موقعہ سے گفتگو کی جائے گی) اور دوسرے ایسی روائتیں کہ جن سے اس بات کی نفی ہوتی ہے کہ جنابِ رسُولِ خدا نے حضرت ابوبکر کو صدیق کا لقب عطا کیا تھا۔

سُنیوں کے بہت بڑے مفسرِ قرآن علامہ فخرالدین رازی لکھتے ہیں کہ

عن رسول اللہ انہ قال الصدیقون ثلاثہ ۔ حبیب النجار مومن آلِ یاسین و مومن آلِ فرعون الذی قال اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ والثالث علی بن ابی طالب و ھوا فضلھم

ترجمہ: جنابِ رسُولِ خدا نے فرمایا کہ صدیق تین ہیں۔ حبیب نجار مومن آلِ یٰسین۔ مومن آلِ فرعون کہ جس نے کہا تھا کہ کیا تم ایسے شخص کو قتل کرو گے جو کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے۔ علی ابن ابی طالب اور وہ ان سب سے افضل ہیں (تفسیر سورہ مومن، تفسیر کبیر ص۳۱۶) اسی طرح کی ایک اور روایت کنز العمال جلد ۶ ص۱۵۲ پر ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

علامہ ابن قتیبہ لکھتے ہیں کہ :۔

عن معاذۃ بنت عبداللہ العدویۃ قالت سمعت علی ابن ابی طالب علی منبر رسول اللہ انا الصدیق الاکبر آمنت قبل ان یومن ابوبکر و اسلمت قبل ان یسلم ابوبکر

ترجمہ :۔ معاذۃ بنت عبداللہ العدویہ کہتی ہیں کہ میں نے سُنا کہ علی ابن ابی طالب رسُول اللہ کے منبر پر کہتے تھے کہ میں صدیقِ اکبر ہوں، ابوبکر سے پہلے ایمان لایا ہوں (معارف ص۵۶ مطبوعہ مصر)

محدث نسائی اپنی کتاب خصائص نسائی میں لکھتے ہیں ۔

قال علیؓ انا عبداللہ و اخو رسولہ و انا صدیق الاکبر۔ لا یقولھا بعدی الا کاذب آمنت قبل الناس بسبع سنین ۔

ترجمہ: حضرت علیؑ نے فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ اور رسول للہ کا بھائی ہوں اور میں صدیق اکبر ہوں۔ میرے بعد اس بات کو کوئی نہیں کہے گا سوائے جھوٹے کے۔ میں سب لوگوں سے سات سال پہلے ایمان لایا تھا۔ (خصائص نسائی ص۳ مطبوعہ مصر)

بعد کے لفظ سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ اگر حضرت علیؑ سے پہلے کسی نے یہ بات کہی تھی تو ڈھوٹا نہیں تھا کیونکہ یہاں "بعد" سے مراد "علاوہ" ہے

اہلسنت کے بہت بڑے عالم دین شاہ عبدالعزیز "فتاویٰ عزیزی" میں تحریر فرماتے ہیں۔

دراحادیث صحیحہ کنیت شان بابوتراب وابوالریحانتین وتلقیب الیشان بہ ذی القرنین ویعسوب الدین وصدیق وفاروق وسابق ذیعسوب الامنہ ویعسوب المومنین و یعسوب قریش وبیضتہ البلد وامین وشریف وہادی ومہدی وغیرہ مروی وثابت است۔

اور صحیح حدیثوں میں ان کی (علی کی) کنیت ابوتراب' ابوالریحانتین اور ان کے القاب ذوالقرنین یعسوب الدین' صدیق' فاروق' سابق، یعسوب الامتہ' یعسوب المومنین' یعسوب القریش' بیضۃ البلد' امین شریف' ہادی اور مہدی' وغیرہ مروی اور ثابت ہیں (فتاوے عزیزی جلد ۲ ص۱۸)

کنیت آپ کی کنیت ابوبکر تھی' جو مشہور ہوئی تو آتنی کہ اصل نام برائے نام رہ گیا اور لوگ آپ کو اسی کنیت سے یاد کرنے لگے مگر آپ کی یہ کنیت کیسے مشہور ہوگئی۔ اس سلسلہ میں کوئی یقینی صورت حال سامنے نہیں آسکی' عربوں کا دستور تھا کہ اولاد ہو جانے کے بعد احترام کے طور پر نام نہیں لیتے تھے بلکہ اولاد کی نسبت سے پکارتے تھے' جیسے حضرت علیؑ کو آپ کے بڑے صاحبزادہ حسنؑ کی نسبت سے ابوالحسنؑ اور خود جناب رسولِ خدا کو ان کے فرزند قاسم کی نسبت سے ابوالقاسمؐ کہا جاتا تھا، مگر یہ صورت حضرت ابوبکر کے ساتھ نہیں تھی۔ اِن کے بیٹوں میں کوئی بھی بکر نام کا بیٹا نہیں تھا اور ایک دوسرا دستور بھی تھا کہ کسی مخصوص صفت کی وجہ سے کنیت مشہور ہو جاتی تھی جیسے جہل کی وجہ سے ابوجہل اور بلی پالنے کی وجہ سے ابوہریرہ۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوبکر کی یہ کنیت اِس وجہ سے مشہور ہوئی ہو کہ آپ کو نوخیز اونٹوں سے کوئی خاص شغف رہا ہو۔

ڈاکٹر طہٰ حسین فرماتے ہیں۔

"بکر کا مطلب نوخیز اونٹ ہے، چنانچہ ابوبکر کے لفظی تلازم کا مستحق ہوتا تھا۔"
(اردو ترجمہ الشیخان ص۴۲، نفیس اکیڈمی، کراچی)

ولادت آپ کی ولادت جناب رسول خدا سے دو سال چند ماہ پہلے یا بعض روایات کے مطابق بعد مکہ میں ہوئی۔ اردو کے مشہور انشا پرداز مولانا عبدالحلیم شرر صاحب اپنی کتاب "ثانی اثنین" میں تحریر فرماتے ہیں کہ۔

"ان کے بچے زندہ نہ بچتے تھے، جناب صدیق اکبر پیدا ہوئے تو گود میں اُٹھا کر خانہ کعبہ میں لے گئیں اور حضرت رب العزت کی درگاہ میں سر جھکا کے دُعا فرمائی کہ خداوند یہ بچہ موت سے عتیق (آزاد) رہے" یعنی اِسے زندہ بچا دے یہ دُعا قبول ہوئی۔ خدا نے بچے کو اپنی امان میں لے کر پروان چڑھایا (ثانی اثنین از مولانا عبدالحلیم شرر، ناشر مکتبہ اہلسنت کراچی)

یہ اقتباس حسنِ عقیدت کا شاہکار ہے جب لکھنے والے اس طرح لکھیں تو تاریخی شخصیتوں کے صحیح خدو خال کیسے سامنے آسکتے ہیں۔ جس زمانے کا تذکرہ شرر صاحب کر رہے ہیں اس زمانہ میں خانہ کعبہ سے رب العزت کو بے دخل کیا جا چکا تھا اور وہاں بتوں کا راج تھا لوگ پریشان ہوتے تو یہاں آجاتے اور انہی بتوں کے قدموں میں گر جاتے، جناب ابوبکر کی والدہ گرامی بھی یہاں تشریف لائی ہوں گی اور اپنے نومولود فرزند کو اپنے خاندانی بت کے قدموں میں ڈال دیا ہوگا۔ تاریخ میں کچھ ایسے لوگوں کا تو تذکرہ ضرور ہے کہ جو بت پرست نہیں تھے۔ دینِ ابراہیمی پر قائم تھے یا پھر عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا مگر اِن لوگوں میں جناب ابوبکر کے والدین کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔

حُلیہ انسان کی صلاحیتوں اور سیرت و کردار کے آگے صورت و شکل کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہوتی ہے، اگر حلیہ کچھ اچھا نہ ہو تو بزرگوں کی پردہ پوشی کرنا چاہیئے مگر ہم کیا کریں کہ مولانا شرر نے ہمیں مجبور کر دیا کہ جناب ابوبکر کا صحیح حُلیہ پیش کریں۔ تو پہلے شرر صاحب کی تحریر اور پھر جناب ابوبکر کا حلیہ۔

"جب مدینے میں پہنچے ہیں تو چونکہ حضرت ابوبکر کی داڑھی میں اکثر بال سفید تھے اور چہرے مہرے سے ایک ذی وقار بزرگ نظر آتے تھے۔ اہلِ مدینہ کو جو استقبال کے لئے آئے تھے اِنہی

پر حضرتِ رسالت کا گمان ہوا۔ اتنے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دھوپ پڑنے لگی۔ حضرت صدیقِ اکبر نے فوراً اپنی چادر کا سایہ کر کے چتر برداری کی خدمت انجام دی اور سب کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بزرگ ہیں"۔ (ثانی وثنین ص۴۹)

یعنی مولانا عبدالحلیم شرر کے نزدیک جناب ابوبکر اتنے باوقار تھے کہ جنابِ رسولِ خدا کی شخصیت ان کے سامنے ماند پڑ گئی تھی (معاذاللہ) اور انہیں رسول اللہ سمجھ بیٹھے تھے۔ یہ تحریر پڑھ کر ہر ایک کا دل چاہے گا کہ وہ جناب ابوبکر کے مکمل حلیہ کو دیکھ سکے، تاکہ معلوم تو ہو کہ ان کی شخصیت کیسی پرکشش تھی کہ لوگوں کی نظریں نے ایسا دھوکہ کھایا کہ جمالِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نظارے سے محروم ہو گئیں تو آیئے دیکھئے کہ مستند مؤرخین جناب ابوبکرؓ کا کیا حلیہ بیان کرتے ہیں:

علامہ ابنِ حجر لکھتے ہیں:

کان ابیض نحیفا خفیف العارضین معروق الوجہ ناتئ الجبھۃ

ترجمہ: سفید رنگ دبلے پتلے کلے پچکے ہوئے، چہرہ پر گوشت بہت کم اور پیشانی آگے کو نکلی ہوئی

علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

عن عائشۃ ان رجلا قال لھا صفی لنا ابابکر فقالت رجل ابیض نحیف خفیف العارضین احناء لایستمسک ازارہ یسترخی عن حقویہ معروق الوجہ غائر العینین ناتی الجبھۃ عاری الاشاجع ھذہ صفتہ۔

ترجمہ: ایک شخص نے عائشہؓ سے کہا کہ مجھ سے ابوبکرؓ کی شکل وصورت بیان کیجیے تو انہوں نے کہا کہ سفید رنگ دبلے پتلے کلے پچکے اور جھکے ہوئے آدمی تھے۔ آپ اپنی ازار کو روک نہیں سکتے تھے اور وہ کولہوں سے گر پڑتا تھا۔ چہرے پر گوشت بہت کم تھا۔ آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں۔ پیشانی آگے کو نکلی ہوئی تھی۔ انگلیوں پر گوشت بالکل نہیں تھا۔ یہی ان کی صورت شکل تھی

(تاریخ الخلفاء ص۲۲)

اب آخر میں ملاحظہ فرمایئے خود مولانا عبدالحلیم شرر کی تحریر "آپ کا حلیہ مبارک" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔

حضرت صدیق کا حلیۂ مبارک یہ تھا کہ گورا رنگ خوش رو اور خوبصورت، آنکھیں اندر دھنسی ہوئیں، رخسار پچکے، دُبلا کتابی چہرہ نھتنے تنگ اور بانسہ ذرا پھیلا ہوا۔ (ثانی واثنین ص۳۰)

دیکھا آپ نے مولانا موصوف کے حُسن عقیدت کا کمال کہ دھنسی ہوئی آنکھوں، پچکے رخساروں تنگ نھتنوں اور بانسہ کے پھیلاؤ میں بھی حُسن تلاش کر لیا۔

خاندان کسی کی شخصیت کو سمجھنے کے لئے اس کے خاندانی حالات سے واقفیت بہت ضروری ہوتی ہے کسی مصلحت یا محض عقیدت کی وجہ سے کسی کی خاندانی فضیلت میں مبالغہ کرنا اور کمزور پہلوؤں کو نظر انداز کر جانا یا پردہ پوشی کرنا علمی بددیانتی ہے لہٰذا ہم تحقیق و تلاش کے بعد ہر اچھے اور بُرے پہلو کو پیش کریں گے۔

ایک رات کا واقعہ ہے جناب ابوبکرؓ حضرت رسولِ خدا کے ہمراہ نکلے اور ربیعہ کی ایک قوم کے پاس جا کر ٹھہرے اور وہاں حضرت ابوبکرؓ نے لوگوں سے ان کے نسب کے بارے میں گفتگو شروع کی جب گفتگو اختتام کو پہنچی تو بنو شیبان کا ایک لڑکا جس کا نام دغفل تھا کھڑا ہو گیا اور اس نے جناب ابوبکرؓ سے ان کے نسب کے بارے میں طرح طرح کے سوالات شروع کر دیئے، جب ان سوالات کا سلسلہ اختتام تک پہنچنے لگا اور حضرت ابوبکر نے اندازہ لگا لیا کہ اب یہ لڑکا میرے خاندان کے بارے میں کچھ اچھے الفاظ استعمال نہیں کرے گا تو آپ نے اس کے سوال کے جواب میں "نہیں" کہا اور اپنے ناقہ کی مُہار موڑ دی۔ ملاحظہ ہو سبائک الذہب کی عبارت:۔

قال لا و اجتذب ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ زمام ناقتہ فقال لہ الفتی صادف درء السیل درء یدفعہ یھیضہ حینا و حینا یصدعہ اما واللہ یا اخا قریش لو ثبت لاخبرتک انک من رعیان قریش ولست من الذوائب فاخبر رسول اللہ بذالک فتبسم۔ فقال علیؓ یا ابابکر لقد وقعت من الغلام علی باقعۃ۔ قال اجل یا ابوالحسن ما من طامۃ الا فوقھا طامۃ و دغفل ھذا ھو دغفل بن حنظلۃ النسابۃ الذی یضرب بہ المثل فی النسب وقد کان لہ معرفۃ بالنجوم وغیرھا من علوم العرب

ترجمہ: نہیں کہا اور ابوبکر نے اپنے ناقہ کی مُہار موڑ دی تو پھر اس نے شعر پڑھا کہ ایک

موجِ سیل دوسری موجِ سیل سے ٹکرائی جو اس کو دھکے دیتی تھی کبھی توڑتی اور کبھی پھاڑتی تھی خدا کی قسم۔ اے قریش بھائی اگر تم ٹھہرتے تو میں ثابت کر دیتا کہ تم قریش کے چرواہوں میں سے ہو اور اس کے شرفاء میں سے نہیں ہو۔ جب رسولؐ اللہ سے یہ واقعہ بیان کیا گیا تو وہ مسکرانے لگے۔ پھر حضرت علیؑ بولے کہ اے ابوبکرؓ تمہیں اس لڑکے نے بڑی مصیبت میں پھنسا دیا تھا۔ انہوں نے جواب دیا۔ ہاں اے ابوالحسنؑ ہر آفت دوسری آفت سے بڑھ کر ہے اور یہ دغفل دہی دغفل بن حنظلہ ہے جو بڑا نسب داں تھا جس کی نسب دانی ضرب المثل ہے وہ علم نجوم اور دوسرے علومِ عرب کا بہت بڑا جاننے والا تھا۔ (سبائک الذہب ص۶ مطبوعہ بمبئی)

علامہ محب طبری نے ریاض نضرہ میں اس واقعہ کو تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ تحریر فرمایا ہے۔ ہم اختصار کی خاطر اس کا صرف ایک فقرہ نقل کر رہے ہیں :

اما واللہ لو ثبت لاخبرتک من ای قریش انت

ترجمہ:۔ خدا کی قسم اگر تم ٹھہرتے تو میں بتا دیتا کہ تم قریش کے کس طبقہ سے ہو (ریاض نضرہ ص۱۰)

یہ فقرہ پہلے والے فقرے کے مقابلہ میں زیادہ سنگین ہے۔ پہلی بات تو صاف تھی کہ دغفل نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ تم قریش کے چرواہوں میں سے ہو مگر یہاں سوچنے کی گنجائش ہے کہ معلوم نہیں جناب ابوبکرؓ کا تعلق کس طبقہ سے تھا۔

بہر حال آپ کا تعلق چرواہوں سے ہو یا کسی اور طبقہ سے یہ بات یقینی ہے کہ آپ کے خاندان کو عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تھا اور تو اور خود آپ کے والد محترم ابوقحافہ کو بھی اپنی کمتر حیثیت کا پورا شعور تھا۔ جب آپ کے فرزند خلافت پر ہاتھ صاف کرنے میں کامیاب ہو گئے تو انہیں یقین نہیں آتا تھا اور حیران ہو ہو کر پوچھتے تھے کہ کیا بنو عبد مناف اور بنو مغیرہ بھی رضامند ہو گئے (صواعق محرقہ)

مؤرخ مسعودی مروج الذہب میں لکھتا ہے کہ ابوبکر کو معلوم ہوا کہ ابوسفیان نے ان کے خلاف کوئی بات کہی ہے تو اس کو اپنے پاس بلایا اور اس پر چیخنے لگے۔ اتنے میں ابوقحافہ بھی وہاں آ گئے اور ابوبکرؓ کے چیخنے کو سن لیا تو کہا کہ میرا بیٹا کس پر چیخ رہا ہے (آپ کو ابوسفیان نظر نہیں آیا۔ کیونکہ آپ نابینا تھے) جواب ملا کہ ابوسفیان پر۔ یہ سننا تھا کہ ابوقحافہ ابوبکر کے پاس گئے اور کہا کہ کیوں عتیق تم

ابوسفیان پر اپنی آواز بلند کر رہے ہو۔ اس پر حضرت ابوبکر اور آپ کے پاس بیٹھے ہوئے مہاجر و انصار مسکرانے لگے اور ابوبکرؓ نے کہا اے ابا جان! خدا نے اسلام کی وجہ سے ایک قوم کو بلند کر دیا اور دوسری کو ذلیل کر دیا (مروج الذہب)

ابوبکرؓ کے والد ابوقحافہؓ کی رگ و پے میں خاندانی پستی کا احساس رچ بس گیا تھا وہ ٹھٹھرے ہوئے تھے وہ جانتے تھے کہ ان کا بیٹا مسندِ خلافت پر جلوہ افروز ہو چکا ہے مگر انہیں ابوسفیان پھر بھی قد آور نظر آیا کہ وہ اس کی توہین پر دم بخود رہ گئے اور ابوبکرؓ کو ان کی حیثیت یاد دلائی۔ خود ابوسفیان بھی جناب ابوبکرؓ کو ذلیل اور رذیل سمجھتا تھا اور اس نے اس بات کا اعلان خلافت کا فیصلہ ہو جانے کے بعد برملا کیا۔ ابوبکر کی خلافت کی خبر سننے کے بعد وہ آپے سے باہر ہو گیا اور ہر طرف شور مچاتا پھرا۔ ایک مرتبہ حضرت علیؑ کے پاس پہنچا اور کہنے لگا۔

ما بال ھٰذا الامر فی اقل حی من قریش

یعنی اس خلافت کی کیا حالت ہو گئی کہ قریش کے سب سے گھٹیا شخص کو دے دی گئی

(طبری جلد ۳ ص ۲۰۲)

اور ایک دفعہ یہ کہا:

ما لنا ولابی فصیل انما ھی بنو عبد مناف یعنی ہمیں اس اونٹ یا گائے کے بچے والے سے کیا واسطہ؟ یہ تو بنو عبد مناف میں رہنا چاہیئے۔ (طبری جلد ۳ ص ۲۰۲)

اور علامہ سیوطی نے لکھا ہے:۔

جاء ابوسفیان ابن حرب الی علی فقال ما بال ھٰذا الامر فی اقل قریش قلة و اذلھا ذلا یعنی ابا بکر۔ یعنی ابوسفیان بن حرب حضرت علیؑ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اس خلافت کی کیا گت بن گئی جو قلت اور ذلت دونوں اعتبار سے قریش کے سب سے چھوٹے اور سب سے ذلیل شخص یعنی ابوبکرؓ کے سپرد کی گئی۔ (تاریخ الخلفاء ص ۴۵)

علامہ علی متقی نے لکھا ہے:

ان ابا سفیان جاء الی علی فقال یا علی بالیعوار جلد

اذل قریش قبیلۃ - یعنی ابوسفیان علی کے پاس آیا اور کہا اے علی کیا ان لوگوں نے ایسے شخص کی بیعت کر لی جو قبیلہ قریش کا سب سے زیادہ ذلیل ہے (کنز العمال جلد ۳ ص۱۴۰)

ایک اور روایت میں رذل قریش (یعنی قریش کا سب سے زیادہ رذیل شخص) بھی لکھا ہے ملاحظہ ہو۔

لما بویع لابی بکر جاء ابو سفیان بن حرب الی علی فقال غلبکم علے ھٰذا الامر اذل بیت فی قریش - یعنی جب ابوبکر کی بیعت کر لی گئی تو ابوسفیان علی کے پاس آیا اور کہا۔ کیا اس معاملہ میں قریش کا سب سے زیادہ رذیل تم پر غالب آ گیا ہے۔

(استیعاب جلد ۱ ص۳۴۵)

اب اس سلسلہ کی آخری روایت ملاحظہ ہو کہ جسے ہم "برقِ سوزاں" (اردو ترجمہ صواعقِ محرقہ) سے نقل کر رہے ہیں۔

"جب لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کر لی تو سفیان بن حرب نے بلند آواز سے حضرت علیؑ سے کہا۔ اے علیؑ! اس معاملہ میں قریش کا ذلیل ترین گھرانہ آپ پر غالب آ گیا ہے اگر آپ چاہیں تو خدا کی قسم میں سواروں اور پیادوں کو اس کے خلاف لے کر آجاؤں"۔

(برقِ سوزاں ص۲۱۸ مطبوعہ فیصل آباد)

ابوسفیان کی باتوں کو یہ کہہ کر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کینہ و حسد کی وجہ سے ایسا کہتا تھا کیونکہ خود سُنی مسلمانوں کے نزدیک تمام صحابہ عادل ہیں۔ سُنی مسلمان ابوسفیان کو صحابی کا درجہ دیتے ہیں۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک عادل صحابی سب سے بڑے صحابی کو خلافِ حقیقت ذلیل اور رذیل خاندان کا فرد قرار دے اور پھر صحابہ بھی سُن کر خاموش رہیں۔ علی بھی کچھ نہ کہیں کہ اے بدبخت تو ایک عزت دار گھرانے کے لئے کیا کہہ رہا ہے۔ کہیں کسی کتاب میں یہ نہیں لکھا ہے کہ کسی نے ابوسفیان کی اس بات کو جھٹلایا ہو۔

ہمیں جناب ابوبکر کے ارذلِ قریش ہونے کا ایک اور ثبوت بھی ملتا ہے اور وہ آپ کا سیاہ فام ہونا۔ صواعقِ محرقہ کے مطابق:

"ابنِ عساکر نے مقدام سے بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور عقیلؓ بن ابی طالبؓ کے درمیان سخت کلامی ہوئی اور ابوبکر سباب یا نساب تھے مگر آپ نے حضور علیہ السلام سے عقیلؓ کی قرابت کے باعث پہلوتہی کرتے ہوئے حضور علیہ السلام کے پاس اِن کی شکایت کر دی۔"

(برق سوزاں ترجمہ صواعقِ محرقہ ص۲۵۵ مطبوعہ فیصل آباد)

سّباب بہت زیادہ گالیاں بکنے والے کو کہتے ہیں اور نساب نسب داں کو۔ سّباب اور نساب کے بیچ میں "یا" کا استعمال بلاضرورت ہے، یہاں "اور" ہوتا تو مناسب تھا کیونکہ آپ کے نساب ہونے کا تذکرہ بھی بہت سوں نے کیا ہے اور "یا" لگا دینے کا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ سّباب تھے تو نساب نہیں تھے، دو چیزوں کے بیچ میں "یا" کا استعمال ہمیشہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ لکھنے والے کو کسی ایک چیز پر یقین نہیں ہے دونوں میں سے کوئی بھی ہو سکتی ہے مگر یہاں نساب ہونا کسی صورت میں مناسب نہیں معلوم ہوتا، کیونکہ غصہ میں گالی برائے گالی دی جاتی ہے اور اور نساب نسب کے عیب بتاتا ہے عقیل بن ابوطالب جناب رسولِ خدا کے حقیقی چچا زاد بھائی تھے لہٰذا ان کے نسب میں کسی عیب کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، لہٰذا ابوبکر کے نسابؓ نے کا تذکرہ بیکار ہے اور یہاں پر صرف سّباب ہونا چاہیئے تھا۔ نساب کا تذکرہ یا کسی غلطی کی وجہ سے ہوا ہے یا پھر جان بوجھ کر نساب کا تذکرہ کر کے اس واضح بات کو کہ جناب ابوبکر کو سّباب سمجھا جائے گا مشکوک بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اِس روایت میں بس یہی سچ ہے کہ جناب ابوبکرؓ نے عقیل بن ابی طالب کو سّباب ہونے کے باوجود سخت کلامی کے دوران گالی نہیں دی اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ کا پاس کیا۔

جناب ابوبکر کے سّباب ہونے کا جیتا جاگتا ثبوت یہ ہے کہ آپ اس وقت بھی اپنی زبان کو گالی سے نہ روک سکے جب اللہ کا رسولؐ پاس موجود تھا اور گالی بھی کوئی ہلکی پھلکی نہیں بلکہ بڑی بھاری بھر کم۔ آپ نے یہ گالی عروہ بن مسعود کو دی تھی۔ یہ شخص قریش کے پاس حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ سے گفتگو کرنے آیا تھا۔ اس نے دورانِ گفتگو کہا:

مجھے جو مختلف صورتیں تمہارے ساتھ نظر آ رہی ہیں ان میں ایسے لوگ ہیں جن کی فطرت

یہ ہے کہ وہ بھاگ جائیں۔ تم کو دشمن کے نرغہ میں چھوڑ دیں۔ اس بات کو سن کر ابوبکر نے کہا کہ تو لات کی شرمگاہ کو چوس۔ کیا ہم بھاگ جائیں گے اور ان کو چھوڑ دیں گے۔
(تاریخ طبری حصہ اول نفیس اکیڈمی کراچی ص۳۲۹)

اور صواعق محرقہ میں ہے کہ:
جب عروہ بن مسعود ثقفی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یہ لوگ آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے تو آپ نے کہا جا کر لات کی شرمگاہ چوس! کیا ہم آپ سے بھاگ جائیں گے یا آپ کو چھوڑ دیں گے (برق سوزاں ترجمہ صواعق محرقہ، ص۱۲۲)

یہی عبارت تھوڑی بہت تبدیلی کے ساتھ علامہ ابن اثیر نے تاریخ کامل اور امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں لکھی ہے، ملاحظہ ہو تاریخ کامل جلد ۲ ص۱۷۶ اور مسند احمد بن حنبل مطبوعہ مصر جلد ۴ ص۳۲۴۔ ہر کتاب میں گالی کے یہی الفاظ ہیں "امصص بظر اللات" اردو میں "شرمگاہ" بظر کا بڑا شریفانہ ترجمہ ہے اگر اس گالی کا صحیح لطف لینا ہے تو برق سوزاں کلمہ ۱۲۲ ملاحظہ ہو۔ اس میں اس گالی کی بڑی وضاحت کے ساتھ تشریح کی گئی ہے۔
جناب ابوبکر نے اللہ کے رسول کے پاس بیٹھ کر اتنی گندی گالی منہ سے نکالی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یا تو آپ رسول اللہ کا دل سے احترام نہیں کرتے تھے اور یا گالی بکنے کی عادت اتنی پختہ تھی کہ آنحضرت کی صحبت بھی یہ عادت نہ چھڑا سکی اور آپ آنحضرتؐ کی موجودگی کا بھی پاس و لحاظ نہ رکھ سکے۔

ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ اس قسم کی قبیح عادتیں عام طور سے نچلے طبقے کے لوگوں میں ہوتی ہیں۔ جیسے ہمارے برصغیر کے کنجڑے کبڑیے اور تانگے والے، آپ نے بھی دیکھا ہو گا کہ تانگہ والا گھوڑے کو قدم قدم پر گالیاں دیتا ہے اور اتنی سنجیدگی سے کہ جیسے گھوڑا ان گالیوں کی تلخی کو محسوس کر رہا ہو۔ یہی حالت چرواہے کی بھی ہوتی ہے کہ وہ بھی تھوڑے تھوڑے وقفہ سے اپنے جانوروں کو گالیوں سے نوازتا رہتا ہے۔ جناب ابوبکر کی زبان پر جو گالیاں چڑھی ہوئی تھیں وہ دغفل کے بیان کو صحیح ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوبکر

اپنی زندگی کے شروع دور میں (اپنے خاندانی ورثہ کے طور پر) باقاعدہ پیشہ ور چرواہے کی حیثیت سے کام کرتے ہوں اور کچی عمر میں پڑی ہوئی عادتیں مشکل ہی سے جاتی ہیں۔ ہم یہاں پر ایک بات واضح کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ بھیڑ بکریاں چرا لینے اور خاندانی چرواہا ہونے میں بڑا فرق ہے۔ پیغمبر بھی بھیڑ بکریاں چرا لیتے تھے۔

آپ کے خاندان کے بارے میں ایک روایت کا تذکرہ مصر کے ممتاز دانشور محمد حسین ہیکل بڑے خوبصورت انداز سے کرتے ہیں۔ دیانت کا تقاضہ ہے کہ ہم اس کا بھی تذکرہ کر دیں۔ آپ فرماتے ہیں۔

"مکہ میں بسنے والے تمام قبائل کو کعبہ کے مناصب میں سے کوئی نہ کوئی منصب ضرور سپرد ہوتا تھا۔ بنو عبد مناف کے سپرد حاجیوں کے لئے پانی کی بہم رسانی اور انہیں آسائش پہنچانے کے انتظامات تھے۔ بنو عبدالدار کے ذمہ جنگ کے وقت علم برداری، کعبہ کی دربانی اور دارالندوہ کا انتظام تھا۔ لشکروں کی سپہ سالاری خالد بن ولید کے اجداد بنو مخزوم کے حصہ میں آئی تھی خون بہا اور دیتیں اکٹھا کرنا بنو تیم بن مرہ کا کام تھا جب ابوبکر جوان ہوئے تو یہ خدمت ان کے سپرد کی گئی۔ خون بہا اور دیتوں کے تمام مقدمات ان کے سپرد ہوتے تھے اور جو فیصلہ وہ کرتے تھے اسے قریش کو منظور کرنا ہوتا تھا۔

ہیکل صاحب نے حضرت ابوبکر اور ان کے خاندان کی خدمات کا اس طرح تذکرہ فرما کر انہیں معزز خاندانوں کی صف میں لا کھڑا کیا۔ مگر ہماری نظر سے ایک ایسی روایت گذری ہے کہ جو موصوف کی پسند سے مطابقت نہیں رکھتی، یہ روایت علامہ ابن اثیر نے اپنی کتاب تاریخ کامل میں لکھی ہے، ملاحظہ ہو۔

" عبدالمطلب کے پڑوس میں ایک یہودی رہتا تھا جس کا نام اذینہ تھا، تجارت پیشہ اور مالدار تھا، اس وجہ سے حرب بن امیہ کی طبیعت میں جوش پیدا ہو گیا تھا۔ انہوں نے چند قریشی نوجوانوں کو اس کے خلاف اکسا دیا کہ اس یہودی کو قتل کر دیں اور مال پر قابض ہو جائیں اس منصوبہ کے تحت عامر بن عبد مناف بن عبدالدار اور حضرت ابوبکر کے دادا صخر بن عمرو بن

کعب تیمی نے اس کو قتل کر دیا عبد المطلب کو قتل کا علم نہ ہو سکا مگر وہ برابر ٹوہ میں لگے رہے آخر کار ہر دو قاتلوں کا پتہ چل گیا اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہ دونوں حرب بن اُمیہ مذکور کی پناہ میں ہیں۔ وہ حرب بن اُمیہ کے گھر گئے اور دونوں قاتلوں کا مطالبہ کیا۔ حرب نے دونوں کو چھپا دیا، اس پر حرب بن اُمیہ اور عبد المطلب میں سخت کلامی ہوئی اور دونوں محاکمہ اور فیصلہ کے لئے نجاشی شاہ حبشہ کے پاس پہنچے۔ اس نے ان دونوں کے درمیان مداخلت سے گریز کیا۔ اِن دونوں نے عمر ابن خطاب کے دادا نفیل بن عبد العزیٰ عدوی کو اپنا حاکم بنایا نفیل بن عبد العزیٰ نے فیصلہ کرتے ہوئے حرب سے کہا کیا تو ایسے شخص سے محاکمہ چاہتا ہے جو قد میں تجھ سے لمبا ہے اور تجھ سے زیادہ خوش رو ہے۔ اس کا سر تیرے سر سے زیادہ بڑا ہے اس کی برائیاں تجھ سے کم ہیں۔ اولاد میں تجھ سے بڑھا ہوا ہے۔ اس کی سخاوت تجھ سے زیادہ ہے اور مدد کرنے میں تجھ سے زیادہ طاقتور ہے اور میں یہ کہتا ہوں کہ تو یقیناً غصہ اور غضب سے دور رہتا ہے اور تیری بلند آواز قوم میں سنی جاتی ہے اور تو قبیلہ کے اتحاد میں طاقتور ارادے رکھتا ہے، اس کے باوجود تو نے جلا وطنی کا محاکمہ کرایا کہ ان کو یا تجھ کو جلا وطن کیا جائے (اور عمر بن خطاب کے دادا کے فیصلہ سے) حرب غضبناک ہو گیا اور کہا کہ یہ انقلاب زمانہ ہے جو تجھے حاکم بنایا ہے اِس قصہ کے بعد عبد المطلب نے حرب کی ہم نشینی چھوڑ دی اور عبد اللہ بن جدعان تیمی کو اپنا مصاحب بنالیا۔ حرب سے سو اونٹ دیت لے کر یہودی کے چچیرے بھائی کو دے دیئے اور یہودی کا سب مال اس کو واپس دے دیا اور جو مال ضائع ہو چکا تھا اس کا تاوان اپنے مال سے ادا کیا"

(اردو ترجمہ الکامل، ابن اثیر جلد دوم ص ۱۶ تا ص ۱۸)

اِس پوری روایت کو دیکھ جایئے کہیں یہ نظر نہیں آئے گا کہ حصولِ دیت کے لئے بنی تیم کے کسی فرد سے رجوع کیا گیا ہے، حالانکہ دو قاتلوں میں سے ایک بنی تیم کا تھا اگر دیت خون بہا کا فیصلہ کرنے اور وصول کرنے کی باقاعدہ ذمہ داری بنو تیم کے پاس ہوتی تو دیت کے لئے جناب عبد المطلب اِن کے پاس ضرور جاتے۔ محاکمہ کے سلسلے میں تو نجاشی کا بھی ذکر آ گیا اور نفیل کا بھی مگر دیت کے سلسلہ میں کہ جو اصل مسئلہ تھا کسی فیصلہ کرنے والے کا ذکر نہیں۔ علامہ حلبی کی تحریر سے

بھی یہی معلوم ہوتا کہ عبدالمطلب نے یہودی کا خون بہا اپنے رُعب و دبدبہ سے وصول کیا فرماتے ہیں کہ

فلما علم عبد المطلب بذلك ترك منادمة حرب ولم يفارقه حتے اخذ منه مائة ناقة و دفعها لابن عم اليهودى حفظا لجوا ده

یعنی جب عبدالمطلب کو اس بات کا علم ہوا تو حرب کو اپنی مصاحبت سے علیحدہ کر دیا اور جب تک اس سے سو اُونٹنیاں نہ لے لیں اس کا پیچھا نہیں چھوڑا اور انہیں یہودی کے چچا زاد بھائی کے حوالہ کر دیا اور آپ نے یہ پڑوسی کے حقوق کی حفاظت کی خاطر کیا۔ (سیرت حلبیہ مطبوعہ مصر جلد ۱ صہ۴)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس قسم کے مقدمات کا فیصلہ کرنے یا دیت و خون بہا وصول کرنے کا کوئی باقاعدہ منصب ہی نہ تھا یہ محمد حسین ہیکل کی ضرورت تھی کہ انہوں نے جناب ابوبکر کے خاندان کو بھی صاحب منصب خاندانوں کی صف میں لا کھڑا کیا۔

پیشہ | علامہ دمیری نے حیات الحیوان میں قریش کے نامی گرامی لوگوں کے پیشوں کی فہرست دی ہے۔

كان ابوبكر صديق بزازا وكذلك عثمان وطلحه و عبدالرحمن بن عوف وكان عمرؓ دلالا يسعى بين البائع والمشترى وكان سعد بن ابى وقاص يبرى النبل وكان وليد بن مغيره حدادا وكذلك ابوالعاص اخو ابى جهل وكان عقبه بن ابى معيط خمارا وكان ابوسفيان بن حرب يبيع الزيت وكان عمرو بن العاص جزارا وكذلك ابو حنيفه

ترجمہ:۔ ابوبکر صدیق بزاز اور اسی طرح عثمان طلحہ اور عبدالرحمٰن بن عوف بھی بزاز تھے اور عمر دلال تھے کہ بیچنے اور خریدنے والوں کے درمیان دوڑا کرتے اور سعد بن ابی وقاص تیر ساز تھے اور ولید بن مغیرہ لوہار تھے۔ اسی طرح ابوجہل کے بھائی ابوالعاص لوہار اور عقبہ بن معیط شراب بنانے یا بیچنے والے تھے اور ابوسفیان زیتون کا تیل بیچتے تھے اور عمرو العاص قصاب تھے اور اسی طرح ابوحنیفہ بھی قصاب تھے (حیوٰۃ الحیوان جلد ۱ صہ۶۹)

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب ابوبکر کے ذریعہ معاش میں غلاموں کا خراج بھی ہوتا تھا۔ بخاری شریف کے مطابق۔

عن عائشہ رضی اللہ عنہا قالت کان لابی بکر غلام یخرج لہ الخراج وکان ابوبکر یاکل منہ
یعنی حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ ابوبکر کا ایک غلام تھا جو انہیں خراج ادا کرتا تھا اور
ابوبکر اس میں سے کھاتے تھے (صحیح بخاری جلد دوم، پارہ ۱۵، ایام جاہلیت)

بھائی بہن | جناب ابوبکرؓ کی صرف ایک بہن اُمِ فروہ کا تاریخ میں تذکرہ ملتا ہے مگر اور کسی بھائی بہن کے بارے میں تاریخ کچھ نہیں بتاتی۔ جناب ابوبکرؓ نے اپنی اِن بہن کا نکاح اشعث سے کر دیا تھا۔ یہ اس وقت کی بات کہ جب اشعث مُرتد ہوا اور گرفتار کر کے جناب ابوبکرؓ کے پاس لایا گیا اور پھر سے کلمہ پڑھ لیا۔ اُمِ فروہ کے بطن سے ایک لڑکی جعدہ پیدا ہوئی جو تاریخ میں جعدہ بنت اشعث کے نام سے مشہور ہے۔ یہ وہی جعدہ ہے کہ جو جناب امام حسنؑ کے نکاح میں آئی ایں نے امیرِ شام معاویہ بن ابی سفیان کی سازش سے امام حسنؑ کو زہر دے دیا۔ اُمِ فروہ کے بطن سے ایک لڑکا بھی تھا کہ محمد بن اشعث کے نام سے مشہور ہے۔ یہ شخص ابنِ زیاد جیسے ننگِ انسانیت کا مصاحب تھا۔ اس نے سفیرِ حسینؑ جناب مسلم بن عقیل کو دھوکہ دے کر ابنِ زیاد کے سامنے پیش کیا اور ان کے قتل کا سبب بنا۔

ازواج و اولاد | جناب ابوبکر کی پہلی شادی قتیلہ بنت عبدالعزیٰ سے ہوئی۔ اس کے بطن سے عبداللہ اور اسماء پیدا ہوئے۔ دوسری شادی انہوں نے اُمِ رومان بنتِ عامر سے کی اور ان سے عبدالرحمٰن اور عائشہ پیدا ہوئیں۔ مدینہ آئے تو پہلے حبیبہ بنتِ خارجہ سے شادی کی پھر اسماء بنتِ عمیس سے۔ اسماء کے بطن سے محمد اور اُمِ کلثوم پیدا ہوئے۔

محمد بن ابی بکر | رسول اللہ صلعم مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد کے ساتھ حجۃ الوداع کے لئے تشریف لے گئے۔ ذوالحلیفہ میں قیام کے دوران آپ کو یہ اطلاع ملی کہ ابوبکر کے ہاں بچہ کی ولادت ہوئی ہے۔ یہ بچہ محمد تھا۔ تاریخ ولادت ۲۵ ذیلقعد ہے۔

محمد کی ماں اسماء بنت عمیس ایک نیک خاتون تھیں آپ کو حضرت ابوبکر سے پہلے جناب حضرت جعفر طیار بن ابی طالب کی زوجیت کا شرف حاصل ہو چکا تھا اور ابوبکر کے انتقال کے بعد آپ نے جناب علی ابن ابی طالب سے عقد فرمایا۔ چنانچہ یہ بچہ ڈھائی سال (تقریباً) کی

عمر سے ایک انتہائی پاک و پاکیزہ ماحول میں پلا بڑھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس میں بھی خاندانِ رسالت کی خو بو آگئی۔ حق پرستی و حق گوئی، ضمیر کی آزادی، زہد و تقویٰ اور بہادری آپکی نمایاں صفات تھیں

حضرت عثمان کے خلاف بغاوت کرنے والوں میں محمد بن ابی بکر پیش پیش تھے اور ان کے گھر میں داخل ہونے والوں میں بھی شامل تھے۔ ابنِ قتیبہ کے مطابق :-

"محمد بن ابی بکر گھر میں داخل ہوئے اور عثمان کے سینہ پر سوار ہو گئے، ان کی داڑھی پکڑ لی اور کہنے لگے۔ اے نعثل معاویہ نے تمہاری کوئی مدد نہیں کی اور ابن عامر و ابن ابی سرح بھی تمہارے کچھ کام نہ آئے۔ عثمان بولے کہ اگر تیرا باپ مجھے اس حالت میں دیکھتا تو روتا اور اسے مجھ پر تیری یہ جگہ ضرور بری لگتی۔ چنانچہ محمد کا ہاتھ ڈھیلا پڑ گیا اور وہ اُٹھ کر چلے گئے۔

(کتاب الامامۃ والسیاسۃ، ابن قتیبہ ص۳۶)

بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ جناب محمد بن ابی بکر نے حضرت عثمان کی داڑھی کے بال نوچ لئے اور ایک تیر حضرت عثمان کی گردن میں چبھو دیا جس سے خون جاری ہو گیا

حضرت عثمان کے قتل کے بعد جب حضرت علی کو اقتدار حاصل ہوا تو محمد ان کے قوتِ بازو بنے اور حضرت علی کے ہمراہ جنگِ جمل میں اپنی بہن جناب عائشہ کے مقابلے پر آئے۔ دورانِ جنگ لوگ جناب عائشہ کے اونٹ کے گرد حلقہ کئے ہوئے تھے اور مردانہ وار اپنی جانیں نثار کر رہے تھے چنانچہ حضرت علی نے اس اونٹ کو پے کرنے کا ارادہ کیا تاکہ یہ خونریزی ختم ہو۔ آپ نے اس کام کے لئے محمد بن ابی بکر، مالک اُشتر اور قیس بن سعد کو چند جانبازوں کے ساتھ معمور کیا۔ مالک اشتر زبردست خونریزی کے بعد اونٹ کی کونچیں کاٹنے میں کامیاب ہو گئے تو محمد نے بڑھ کر اپنی بہن کی عماری کو سنبھالا اور حضرت علی کے حکم سے انہیں بحفاظت عبداللہ بن خلف خزاعی کے مکان پر پہنچا دیا۔ جب مصر کی گورنری سے قیس بن سعد کو معزول کیا تو محمد بن ابی بکر کو وہاں کا گورنر بنایا مگر محمد ابھی کمسن تھے۔ چنانچہ معاویہ جیسے مکار نے اِن کے علاقہ میں ایسی گڑبڑ کرائی کہ وہ اِسے سنبھال نہ سکے۔ حضرت علی نے محسوس کیا کہ مصر کے حالات محمد بن ابی بکر کے قابو سے باہر ہوتے جا رہے ہیں تو آپ نے اِن کی جگہ مالکِ اشتر کو روانہ کیا مگر وہ معاویہ کے حکم سے راستہ ہی میں زہر دغا

سے شہید کر دیئے گئے۔

محمد بن ابی بکر نے حضرت علی کو کمک بھیجنے کے لئے لکھا مگر کمک نہ پہنچ سکی اور محمد بن ابی بکر معاویہ کے لشکر کے نرغے میں آگئے۔ ساتھی ساتھ چھوڑ گئے اور وہ زخمی حالت میں گرفتار کر لئے گئے۔

حیاۃ الحیوان صفحہ ۳۶۴ جلد اول کے مطابق معاویہ بن حدیج نے محمد کو صفر ۳۸ھ میں شہید کیا اور حکم دیا کہ ان کی لاش میں رسی باندھ کر راہوں میں گھسیٹا جائے اور مرے ہوئے گدھے میں رکھ کر جلایا جائے۔ ایک اور روایت کے مطابق آپ کو زندہ ہی مرے ہوئے گدھے کی کھال میں بند کر کے جلا ڈالا گیا۔

محمد بن ابی بکر کی شہادت کی خبر ان کی بہن عائشہ کو پہنچی تو انہیں انتہائی صدمہ ہوا سبط ابن جوزی لکھتے ہیں۔

جب قتل محمد کی خبر عائشہ کو ملی تو آپ بہت روئیں اور وہ ہر نماز کے بعد معاویہ اور عمر و العاص کے لئے بد دعا کرتی تھیں۔ جب اُمّ حبیبہ (معاویہ کی بہن اور زوجۂ رسولؐ) کو ان کے قتل اور جلانے کی خبر ملی تو انہوں نے ایک مینڈھا بھنوا کر عائشہ کے پاس بھیجا۔ اس حرکت کا مقصد خون عثمان کے بدلے محمد بن ابی بکر کے قتل پر مسرت اور اطمینان کا اظہار کرنا تھا عائشہ پر ان کے اس برتاؤ کا اتنا اثر ہوا کہ ان کی زبان پر یہ کلمات آگئے کہ خدا زانیہ زادی پر لعنت کرے۔ خدا کی قسم اب میں کبھی بھنا ہوا گوشت نہ کھاؤں گی۔

محمد بن ابی بکر کے قتل کی خبر جب حضرت علی نے سُنی تو آپ کو بہت رنج ہوا۔ اور اس وقت آپ نے ایک خطبہ دیا جس کی ابتدا اس طرح کی۔

" آگاہ ہو کہ مصر کو ان فجار اور اولیا ظلم و جور نے فتح کر لیا جنہوں نے لوگوں کو راہ خدا سے روکا...... آگاہ ہو کہ محمد بن ابی بکر شہید ہو گئے۔ خدا ان پر اپنی رحمت نازل کرے ہم ان کی مصیبت کو قربۃً الی اللہ برداشت کرتے ہیں۔ خدا کی قسم مجھے معلوم ہے کہ وہ قضائے الٰہی کے منتظر رہتے تھے اور اس کی جزا کے لئے عمل کرتے تھے۔ وہ فاجر کے دشمن اور چہرۂ مومن کے عاشق تھے...... (ابن ابی حدید)

عبداللہ | یہ جناب ابوبکر کے بیٹوں میں سب سے بڑے بیٹے تھے۔ آپ قتیلہ کے بطن سے ہوئے یعنی اسمار کے ماں جائے تھے۔ مورخ مسعودی کے مطابق طائف کی جنگ میں رسول اللہ کے ساتھ شریک ہو کر زخمی ہو گئے تھے آپ کا انتقال اپنے والد کی خلافت کے زمانہ میں ہوا۔ آپ نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

مسعودی کہتا ہے کہ آپ نے کل سات دینار چھوڑے مگر تاریخ الخلفاء اور کنز العمال میں ہے کہ ابوبکر کے ایک بیٹے اپنی وفات کے وقت بار بار اپنے تکیئے کی طرف دیکھتے تھے اور جب وفات پا گئے تو لوگوں نے ابوبکر سے یہ بات بتائی اور پھر ان کا سر ہٹا کر تکیہ اُٹھایا تو دیکھا کہ اس کے نیچے پانچ یا چھ ہزار اشرفیاں رکھی ہوئی تھیں۔ یہ دیکھ کر جناب ابوبکر نے تالیاں بجائیں (تاریخ الخلفاء ص ۴۲ کنز العمال جلد ۱ ص ۱۹۰) ظاہر ہے کہ یہ بیٹے عبداللہ ہی ہوں گے کیونکہ دوسرے بیٹے عبدالرحمٰن کا انتقال ۵۳ھ میں ہوا اور محمد تو معاویہ کے دور میں شہید ہوئے۔

عبدالرحمٰن | یہ حضرت ابوبکر کے دوسرے صاحبزادے۔ اُم رومان کے بطن سے پیدا ہوئے یعنی اُم المومنین عائشہؓ کے ماں جائے تھے۔ صلح حدیبیہ تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، چنانچہ بدر و اُحد میں کفار کے لشکر کے ساتھ آئے اور رسول اللہ کے مقابلے میں آکر خوب دادِ شجاعت دی۔ آپ کا شمار بڑے نامی گرامی بہادروں اور ماہر تیر اندازوں میں ہوتا تھا۔ جنگِ جمل میں اپنی ہمشیرہ کے ساتھ حضرت علی کے خلاف میدانِ جنگ میں آئے اور خوب لڑے عبدالرحمٰن بن ابی بکر بڑے عاشق مزاج واقع ہوئے تھے۔"

عشق کیا تو آہیں بھریں اور شعر کہے۔ مدینہ میں خوب چرچا ہوا۔ شام کے سفر پر تجارت کی غرض سے گئے تھے کہ ایک غیسانی رئیس زادی لیلیٰ کو دل دے بیٹھے۔ واپس ہوئے تو حالت دگرگوں تھی۔ سچے عاشق تھے، آہوں نے وہ اثر دکھایا کہ خلیفہ عمر بھی بے چین ہو گئے انہوں نے عبدالرحمن بن ابی بکر کو ابوعبیدہ بن الجراح کے نام ایک خط لکھ کر دیا اور کہا اسے لے جاؤ، انشاء اللہ مراد پاؤ گے۔ خط کی تحریر۔

"جب خدا تمہارے ہاتھوں دمشق فتح کرائے تو جودی کی لڑکی عبدالرحمٰن کو دے دینا

(بحوالہ ابن حجر ۲/۴۰۴' حضرت عمر کے سرکاری خطوط صـ۸)

یہی عمر تھے کہ جنہوں نے نصر بن حجاج کو اس کی حسن و خوبصورتی کی سزا محض اس لئے دی تھی کہ مدینہ کی ایک عورت کو اس کی یاد میں شعر پڑھتے سُنا تھا اور عبدالرحمٰن کہ ابوبکر کے بیٹے تھے اِن کے سلسلہ میں اتنی دریا دلی دکھائی کہ عطائے محبوب کے لئے سپہ سالارِ اعلیٰ کو حکم نامہ بھیجا۔ یہی تو عدلِ فاروقی کا کمال تھا۔

اسمار اسمار بہنوں میں سب سے بڑی تھیں۔ آپ کی مادرِ گرامی قتیلہ تھیں۔ مشہور ہے کہ ہجرتِ رسولؐ کے موقع پر ناشتہ دان باندھنے کی ضرورت ہوئی مگر کچھ نہ ملا تو اپنا کمربند پھاڑ کر ناشتہ دان باندھا۔ کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خدمت سے خوش ہو کر آپ کو ذات النطاقین کا لقب عطا کیا۔

آپ کی شادی زبیر بن العوم سے ہوئی تھی۔ زبیر رسولؐ اللہ کی پھوپھی صفیہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے تھے۔ اسمار کی اولادوں میں سب سے مشہور بیٹے عبداللہ بن زبیر تھے زبیر اپنی بیوی اسمار پر بہت سخت تھے۔ کبھی کبھار مار پیٹ تک نوبت پہنچ جاتی، مگر عبداللہ اپنی ماں کو بہت چاہتے تھے، زبیر مارتے تو وہ عبداللہ سے فریاد کرتیں۔ روایت ہے کہ عبداللہ ایک دن ماں کی حمایت کو آئے اور یہ حمایت طلاق کا باعث بنی۔ طلاق کے بارے میں ایک اور روایت بھی ہے کہ عبداللہ بن زبیر نے اپنے باپ سے کہا کہ ان کی غیرت گوارا نہیں کرتی کہ وہ ان کی ماں کے ساتھ جماع کریں لہذا زبیر نے اسمار کو طلاق دیدی۔

اسمار بڑے حوصلہ کی خاتون تھیں۔ عبداللہ ابن زبیر کی شامیوں سے جنگ کرتے کرتے حالت نازک ہو گئی تو اس نازک وقت میں ان کی والدہ اسمائؓ نے ان کا حوصلہ بڑھایا ایک موقع پر عبداللہ نے ماں سے کہا۔

"اماں میں موت سے نہیں ڈرتا صرف یہ خیال ہے کہ میری موت کے بعد دشمن میری لاش کو مثلہ کریں گے اور صلیب پر لٹکا دیں گے۔"

حوصلہ مند ماں نے جواب دیا۔

"بیٹے جب بکری ذبح کر ڈالی جائے تو پھر اس کی کھال کھینچی جائے یا اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں۔ اسے کیا پروا؟ ——— تم اللہ پر بھروسہ کر کے اپنا کام کرو"

اور جب بیٹے کی لاش کو لٹکے ہوئے کئی دن گذر گئے تو حجاج سے پوچھا۔

"کیا اس سوار کے اُترنے کا وقت ابھی نہیں آیا؟"

غمزدہ ماں جو بہت عرصے سے نابینا تھی اور سو برس کی عمر کو پہنچ چکی تھی، بیٹے کے قتل کے بعد چند دن میں وفات پا گئی۔

حضرت عائشہ | عائشہؓ اُم رومان کے بطن سے تھیں۔ عبدالرحمٰن ابن ابی بکر ان کے ماں جائے تھے۔ ان بی بی کو اُم المومنین ہونے کا شرف حاصل ہے۔ حضرت خدیجہؑ کی وفات کے بعد اور ہجرت سے قبل جناب ابوبکر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خواہش کہ وہ ان کی بیٹی عائشہ کو قبول فرمائیں۔ آنحضرتؐ نے یہ درخواست قبول کر لی اور عقد ہو گیا۔ ہجرت کے بعد باپ نے بیٹی کی رخصتی میں عجلت کی اور بہت جلد اپنی لختِ جگر کو خانۂ رسولؐ میں پہنچا دیا۔

نکاح اور رخصتی کے وقت آپ کتنے برس کی تھیں اس میں اختلاف ہے مگر یہ بات طے ہے کہ تھیں بہت کم عمر۔ رخصتی کے بعد کی بعض روایتیں بھی یہی بتاتی ہیں کبھی جناب رسول اللہ مکان میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ گڑیوں سے کھیل رہی ہیں، کبھی ایسا ہوا کہ آٹا گوندھ کے سو گئیں۔ اُٹھیں تو معلوم ہوا آٹا بکری کھا گئی مگر جب سوکنیں آنے لگیں تو اتنی چالاک ہو گئیں کہ قرآن کو کہنا پڑا کہ ان کا دل ٹیڑھا ہو گیا ہے۔

شوہر کی لاڈلی اور عظیم المرتبت بیٹی فاطمہؑ کہ جس کی ماں بھی رسولؐ کی نظر میں عظیم المرتبت اور انتہائی محبوب تھی، جناب عائشہ کے دل میں ہمیشہ کانٹے کی طرح کھٹکتی رہیں فاطمہ کے شوہر تو ان سے کچھ زیادہ ہی بغض تھا۔ ایک تو یہ فاطمہؑ کے شوہر پھر رسولؐ کے چہیتے چچا زاد اور اس پر طرّہ یہ کہ عائشہ کے والدِ محترم ان کے سیاسی حریف، واقعۂ افک کے بعد یہ دشمنی اور بڑھ گئی حضرت علی نے اس واقعہ کی وجہ سے رسول اللہ کو بہت

مغموم پایا تو اشارتاً کہہ دیا کہ آپ انہیں طلاق دے دیجئے

رسول اللہ بیمار ہوئے اور وقتِ آخر قریب آیا تو جناب عائشہ اپنے والد کے بہت کام آئیں۔ ان کی خلافت کے لئے حالات کو ساز گار بنانے میں مددگار ثابت ہوئیں اور پھر جب چوتھے نمبر پر علیؑ کو خلافت ملی تو تڑپ گئیں اور کہنے لگیں کہ کاش آسمان پھٹ پڑتا مگر یہ نہ ہوتا۔ حالانکہ پہلے حضرتِ عثمان سے اتنی مخالفت تھی کہ ان کے بارے میں کہا کرتی تھیں کہ قتل کردو نعثل کو۔ خدا اسے قتل کرے (نعثل ایک یہودی تھا کہ جس کی شکل جنابِ عثمان سے ملتی تھی) علیؑ کے خلاف بات صرف غم و غصہ کی حد تک نہیں رہی بلکہ بی بی علیؑ کی خلافت کو ختم کرنے کیلئے اُٹھ کھڑی ہوئیں اور بہت سے لوگوں کو ساتھ لے کر بصرے جا پہنچیں وہاں پہنچ کر علی کے خلاف لشکر صف آرا کیا۔ علی بھی فوجیں لے کر بصرے پہنچے اور شدید جنگ کے بعد انہیں شکست دی۔

رسول اللہؐ کے بڑے نواسہ حضرت حسنؑ نے وفات پائی اور ان کی وصیت کے مطابق آلِ رسولؐ نے یہ چاہا کہ حسنؑ کے جنازے کو ان کے نانا (رسولِ خدا) کے پہلو میں دفن کریں تو بی بی عائشہ کی دشمنی ایک بار پھر عود کر آئی اور انہوں نے اس بات کی اجازت نہیں دی کیونکہ وہ حجرہ انہی کی ملکیت تھا کہ جس میں جناب رسولِ خدا کا جسد مبارک دفن تھا

ان کے والد جناب ابوبکر کا لقب صدیق تھا۔ وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ آپ رسولؐ اللہ کی تصدیق کیا کرتے تھے مگر خود بی بی عائشہ کا لقب بھی صدیقہ تھا، مگر وجہ نہیں بیان کی جاتی۔ شائد یہ لقب باپ کے ورثہ میں ملا ہو۔ ان کے فضائل کثرت سے بیان کئے جاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مریمؑ اور آسیہؑ کے درجہ کی خاتون تھیں۔ جب اِن کے علم کی بات ہوتی ہے تو انہیں حدیث، قرآن اور فقہ نساب کا ماہر بتایا جاتا ہے۔ یہاں تک تو غنیمت ہے مگر اسے کیا کہئے کہ جب انہیں علم طب کا ماہر بھی کہا جائے۔

بی بی عائشہ کی موت کے حالات بھی پُراسرار لگتے ہیں۔ کوئی یہ نہیں بتاتا کہ آپ نے کس مرض میں مبتلا ہو کر وفات پائی۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کی قبر شریف جنتُ البقیع میں ہے

ظاہر ہے کہ وہ تو مدینہ کا واحد قبرستان تھا اگر کہیں اور دفن ہونا معلوم نہیں تو انہیں وہیں دفن ہونا چاہیئے اور اس کا بھی کوئی جواب نہیں ہے کہ آپ اپنے محبوب شوہر کے پہلو میں کیوں نہیں دفن کی گئیں۔ اِن حالات میں یہ روایت بھی قابلِ غور ہے کہ ۵۶ھ میں معاویہ مدینہ آیا تو اس نے بی بی عائشہ کو اپنی قیام گاہ پر مدعو کیا اور ایک کنواں کھدوا کر اسے خس وخاشاک سے بھر دیا اور اس پر ایک کرسی رکھوادی۔ جب بی بی عائشہ تشریف لائیں تو انہیں اِس کرسی پر بیٹھنے کے لئے کہا۔ جیسے ہی آپ نے وہاں قدم رکھا۔ کنویں میں گر پڑیں۔ معاویہ نے اس کنویں کو چُونے سے بھر وادیا۔ (حبیب السیر جلد ا جز سوم ص۵۸ بمبئی)
آپ کی وفات ۱۷ رمضان بروز منگل ۵۶ھ میں ہوئی۔

اُمِ کلثوم | یہ حضرت ابوبکر کی سب سے چھوٹی صاحب زادی ہیں۔ اِن کی والدہ محترمہ اسماء بنت عمیس ہیں اور محمد بن ابی بکر ان کے ماں جائے۔ اِن کی ولادت جناب ابوبکر کی وفات کے چند دن بعد ہوئی تھی۔

اسماء بنت عمیس سے حضرت علیؑ نے شادی کی تو حضرت ابوبکرؓ کے یہ دونوں بچے ان کی کفالت میں آ گئے۔ انہوں نے اِن کی پرورش اپنی اولاد کی طرح کی۔ طبری کی ایک روایت کے مطابق حضرت عمر بن خطاب نے بی بی عائشہ سے اُمِ کلثوم کے ساتھ عقد کی خواہش کی مگر اُمِ کلثوم نے انکار کر دیا۔

اُمِ کلثوم نے کہا "میں ان کے ساتھ شادی نہیں کروں گی۔ اس پر حضرت عائشہ نے فرمایا کیا تم امیر المؤمنین کے ساتھ نکاح سے انکار کرتی ہو؟ وہ بولیں ہاں! وہ بہت کھُردری زندگی بسر کرتے ہیں اور خواتین کے ساتھ سخت مزاج ہیں۔ (طبری اردو جلد سوم ص۲۴۹)

ام کلثوم بنتِ ابی بکر نے علی کے گھر میں پرورش پائی تھی اور خود حضرت علیؑ کی ایک صاحب زادی کا نام بھی اُمِ کلثوم تھا لہٰذا اس کا فائدہ اُٹھایا گیا اور بعض مورخین نے مغالطہ یا سازش کے تحت اُمِ کلثوم بنتِ ابی بکر کے بجائے اُمِ کلثوم بنتِ علیؑ لکھ کر عمر بن خطاب کے ساتھ ان کے نکاح کا تذکرہ کرنا شروع کر دیا۔ واضح رہے کہ یہ نکاح جبریہ ہوا تھا۔

ایّام جاہلیت

قبولِ اسلام سے پہلے جناب ابوبکر کی کوئی خاص حیثیت نہیں تھی لہذا ان دنوں کیلئے تاریخ خاموش ہے آپ کے دین کے بارے میں اتنا کہا جا سکتا ہے آپ بھی قریش کے دوسرے کافروں کی طرح بتوں کو پوجتے ہوں گے۔ کیونکہ قریش میں چند گنے چُنے افراد تھے جو بعثتِ رسُول سے قبل دینِ ابراہیمؑ پر تھے یا عیسائی ہو گئے تھے اور بت پرستی کو بُرا سمجھتے تھے۔ ان افراد میں ابوبکر کو شمار نہیں کیا جاتا تھا۔

جناب ابوبکر کا مکان حضرت خدیجہؑ کے محلہ میں تھا جب رسُولِ خدا کی شادی خدیجہ بنت خویلد سے ہو گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہیں منتقل ہو گئے۔ اس طرح سے ابوبکر کو آنحضرتؐ کا ہم محلہ ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ چنانچہ اسی بنیاد پر ابوبکر اور رسول اللہ کی گہری دوستی کی عمارت کھڑی کر دی گئی۔

حضرت ابوبکر کے ایام جاہلیت کے ایک تجارتی سفر کا تذکرہ کہ جس میں رسُول اللہ بھی تھے۔ کنز العمال میں موجود ہے۔ بعض حضرات نے اس سفر کو بھی دونوں کی دوستی کی بنیاد قرار دیا ہے۔ اس سلسلہ میں عبدالحلیم شرر کی انشا پردازی ملاحظہ ہو۔

"رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بچپن کی دوستی تھی اور اکثر ساتھ رہتا۔ ایک بار جب کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۲۰ سال کی اور آپ کی عمر ۱۸ سال کی تھی تجارت کے لئے دونوں صاحبوں نے ایک ساتھ ملکِ شام کا سفر کیا۔ سرحدِ شام میں داخل ہونے کے بعد ایک روز رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک بیری کے سائے میں ٹھہرے اور حضرت صدیق کسی ضرورت سے وہاں کے مشہور راہب بحیرا کے پاس گئے اس نے درخت کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔ اس بیری کے نیچے کون ہے؟ آپ نے بتایا کہ یہ محمد بن عبداللہ ہیں۔ اس نے کہا یہ — پیغمبر ہیں۔ اس لئے کہ اس درخت کے نیچے ہماری روایتوں سے یا مسیح ٹھہرے تھے

یا نبی آخر الزماں ٹھہریں گے۔ اس کی یہ بشارت سنتے ہی آپ بعثت سے بیس سال پیشتر رسالت محمدی پر ایمان لے آئے اور سابق الاسلام تسلیم کئے گئے۔

(ثانی واثنین، ناشر مکتبۂ اہلسنت کراچی ص۳۴)

یہ وہ زمانہ تھا کہ تجارتی سفر قافلہ کی صورت میں ہوا کرتے تھے اور اس سفر میں یہ ضروری نہیں تھا کہ ہر شخص ایک دوسرے کا دوست ہو اور وہ بھی بچپن کا دوست۔

قبولِ اسلام

تاریخِ اسلام میں صرف چار نام ایسے ہیں کہ جنہیں اسلام میں اولیت دی جاتی ہے کہتے ہیں کہ عورتوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہ بنت خویلد، مردوں میں حضرت ابوبکرؓ بن قحافہ بچوں میں حضرت علیؑ بن ابی طالب اور غلاموں میں زیدؓ بن حارث ایمان لائے۔ ایمان لانے کے سلسلہ میں یہ غیر ضروری تقسیم ضرورت کے تحت عمل میں آئی۔ ہوا یہ کہ جب ہمارے محققین نے یہ دیکھا کہ جناب ابوبکر اور حضرت علی کے درمیان سابق الاسلام ہونے کے مسئلہ پر راویوں کو اختلاف ہے تو انہوں نے درجہ بندی کر ڈالی تاکہ سب کو سبقتِ اسلام میں برابر کا درجہ دیا جا سکے۔ ورنہ اس کی ضرورت نہیں تھی۔ عورت، مرد، غلام اور آزاد سبھی انسان ہوتے ہیں اور ہمیشہ سوال اسی طرح سے ہوتا ہے کہ فلاں کام کس انسان نے پہلے کیا۔ اور جواب بھی بلا امتیاز عورت و مرد غلام و آزاد کے دیا جاتا ہے۔

جہاں تک کہ اس بچہ یعنی علی ابنِ ابی طالب کے سبقتِ اسلام کا تعلق ہے تو اس پر گفتگو بیکار ہے کیونکہ یہ بچہ تو داعی اسلام کی آغوش میں پل رہا تھا اور پھر فطرتاً بھی معصوم تھا۔ سبقتِ اسلام کی بحث کرنے والوں نے یہ حدیث بھی سُنی ہوگی کہ ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے اور بعد میں اس کے پرورش کرنے والے اسے اپنے جیسا بنا لیتے ہیں۔ اگر یہ لوگ علی بن ابی طالب کے لئے بھی اسی اصول کو تسلیم کر لیتے تو انہیں سبقتِ اسلام کے

سلسلہ میں یہ احمقانہ درجہ بندی نہ کرنا پڑتی۔ رسُول اللہ تو اس فطری مسلمان کو قبل بعثت ہی سے اپنا جیسا بنانے کی کوشش کر رہے تھے تو پھر بعثت کے بعد رسمی طور سے اس کے سامنے اسلام پیش کرنے کی کیا اہمیت رہ جاتی ہے۔

اگر یہ درجہ بندی کرنے والے اس طرح سے درجہ بندی کرتے کہ گھر والوں میں سب سے پہلے کون اسلام لایا اور باہر والوں میں کون تو پھر بھی غنیمت تھا۔ اس طرح سے حضرت ابوبکر کی عظمت کے لئے یہ بہت کافی ہوتا کہ آپ باہر والوں میں سب سے پہلے اسلام لائے اور فوراً اسلام لائے کہ جیسے تیار بیٹھے تھے کہ کب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اعلانِ نبوت کریں اور یہ لبیک کہیں۔

قبل اسلام حضرت ابوبکر کی زندگی کا کوئی ایسا واقعہ تاریخ پیش نہیں کر سکی کہ جس سے آپؓ کی فطانت کا اظہار ہوتا ہو۔ سوائے اس کے کہ آپ نے اپنی ذہانت اور سوجھ بوجھ سے معاشرے میں ایک مقام بنالیا تھا کہ جو آپ کو خاندانی اعتبار سے حاصل نہیں تھا۔ مگر آپ کے اسلام لانے کا واقعہ آپ کی فطانت کا پہلا بھرپور اظہار ہے۔

سفرِ شام کا واقعہ تو آپ پڑھ ہی چکے ہیں اب ہم اسی طرح کے اور واقعات نقل کرتے ہیں کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر کو اس بات کی توقع تھی کہ حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کا دعویٰ کریں گے۔ شاہ ولی اللہ ازالۃ الخفاء میں تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرت صدیق کے قبول اسلام کا سبب کئی دفعہ تائید غیبی ہوئی۔ چنانچہ خود آپ نے بیان کیا ہے کہ ایک روز آپ زمانہ جاہلیت میں ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شاخ جھکی اور آپ کے سر سے آلگی۔ آپ یہ واقعہ دیکھتے جاتے اور کہتے جاتے تھے کہ یہ ماجرا کیا ہے۔ اس اثنا میں اس شاخ سے آپ کے کان میں آواز پہنچی کہ فلاں وقت میں ایک پیغمبر ہوگا چاہیئے کہ تم اس وقت سعادت مند ترین لوگوں میں سے ہو جاؤ۔ حضرت صدیق فرماتے ہیں کہ میں نے کہا ذرا واضح طور پر کہو یہ پیغمبر کون شخص

ہوگا۔ اس کا نام کیا ہوگا۔ اس شاخ سے آواز آئی کہ اس کا نام محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم ہے۔" دوسرا قصہ آپ نے یہ بیان کیا ہے کہ قبل بعثت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ نے خواب میں دیکھا کہ ایک بڑی روشنی آسمان سے نکل کر خانہ کعبہ پر گری۔ جس سے مکّہ کے تمام گھر روشن ہوگئے۔ پھر وہ تمام روشنی جمع ہوکر میرے مکان میں بھر گئی اور میں نے اپنے گھر کا دروازہ بند کرلیا۔ اس خواب کی تعبیر میں نے ایک یہودی عالم سے پوچھی۔ اس نے کہا یونہی پریشان خیالات ہیں ان کا کوئی اعتبار نہیں۔ پھر تھوڑے عرصہ کے بعد میں تجارت کے لئے نکلا اور بحیرہ راہب سے میں نے اس کی تعبیر پوچھی۔ اس نے پوچھا تم کون ہو۔ میں نے کہا میں قریش میں سے ہوں۔ کہا اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان ایک پیغمبر بھیجے گا تم اس کی زندگی میں اس کے وزیر ہوگے اور اس کے بعد اس کے خلیفہ۔ پھر جب آنحضرت مبعوث ہوئے تو آپ نے مجھے اسلام کی دعوت دی۔ ۔ ۔ ۔ یہ قصہ اور واقعات کتب خصائص میں مذکور ہیں اور دلالت کرتے ہیں کہ قوتِ عاقلہ میں آپ کو انبیاء علیہ السلام کے ساتھ تشبہ حاصل تھا۔ (اردو ترجمہ ازالۃ الخفا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، مقصد دوم صد ۲۱، ۲۲ ناشر قرآن محل۔ کراچی)

جناب ابوبکر کی قوتِ عاقلہ سے ہمیں بھی انکار نہیں ہے بلکہ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سارا کھیل اسی قوتِ عاقلہ کا تھا کہ آپ نے یہ سمجھ لیا کہ اب معاشرہ اس مقام پر پہنچ چکا ہے کہ جسے کسی ہادی اور رہبر کی اشد ضرورت ہے اور آپ کی نگاہ کے سامنے صرف ایک ہی انسان تھا کہ جو قریش میں ہر لحاظ سے ممتاز تھا جس کی صداقت، دیانت اور شرافت کا ہر ایک معترف تھا۔ اس کی زندگی کے شب و روز ہر ایک سے مختلف تھے۔ آپ منتظر تھے کہ یہ عظیم ہستی رہنمائی کے لئے کھڑی ہو اور اس کی آواز پر لبیک کہا جائے۔ چنانچہ یہی ہوا کہ جیسے ہی رسول اللہ نے پہلی وحی کے نزول کا تذکرہ کیا۔ ابوبکرؓ بلا چون چرا ایمان لے آتے۔ نہ کوئی دلیل مانگی اور نہ غور و فکر کی مہلت۔ آپ کو حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت میں اپنا مستقبل روشن نظر آرہا تھا۔ درخت کی شاخوں کی آوازیں دراصل آپ کے دل کی آوازیں تھیں

آپ کا خواب آپ کے خیالات کا ترجمان تھا۔ عام یہودی انکے اس خواب کو نہ سمجھ سکے اور اسے پریشان خیالی سے تعبیر کیا مگر بحیرا راہب نے کہ جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و بزرگی کی جھلک دیکھ چکا تھا اور حضرت ابوبکر کی خواہشات کا بھی اندازہ کر چکا تھا حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبری کی بشارت دی اور جناب ابوبکر کو ان کی خواہش کے مطابق وزارت و خلافت کا مژدہ سنایا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت سے مکہ میں ایک نئی فضا پیدا ہونے لگی جناب ابوبکر بڑی باریک بینی سے اس فضا کا جائزہ لیتے رہے۔ آپ نے اپنے دوستوں کو بھی اس طرف راغب کرنا شروع کیا چنانچہ آپ ہی کی کوششوں سے عثمانؓ بن عفان عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص اور طلحہ بن عبیداللہ نے اسلام قبول کر لیا گویا آپ نے ابتدائے اسلام ہی سے اپنا ایک گروہ بنا لیا تھا۔ بعد میں اس میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ یہی گروہ ہمیشہ ہر نازک موقع پر حضرت ابوبکر کے ساتھ نظر آتا ہے۔ دراصل یہ وہی گروہ تھا کہ جو بعد وفات رسول ہر معاملہ میں کرتا دھرتا بنا رہا۔ یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے مفادات کا بھی خوب خیال رکھتے تھے۔

عائشہ بنت ابی بکر کا نکاح | اسلام قبول کرنے کے بعد مکی زندگی میں جناب ابوبکر نے رسول اللہ کا کس طرح ساتھ دیا ——— تاریخ خاموش ہے۔ بس ایک واقعہ ہے ——— بڑا پُر اسرار اور عجیب! اپنی کم سن اور انتہائی کمسن بیٹی کا نکاح رسول سے کر دیا۔ سلسلہ جنبانی کیسے ہوئی۔ یہ بھی دلچسپ ہے۔ ملاحظہ ہو شاہ ولی اللہ دہلوی کی زبانی۔

"کہ جب حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہو گیا تو حضرت صدیق نے حضرت عائشہ صدیقہ کو آپ کے نکاح میں دے دیا اور اس خاص رعایت کے ساتھ جو ادب کا اعلیٰ نمونہ تھی ۔ حبیب مولا عروہ روایت کرتے ہیں کہ جب ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ نے انتقال کیا تو آنحضرت نہایت محزون ہوئے۔ حضرت صدیق حضرت عائشہ صدیقہ کو لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ یہ آپ کا غم غلط کرے گی

کیونکہ اس میں حضرت خدیجہؓ کی بعض اوصاف ہیں حضرت صدیق نے یہ آپ سے مکرر عرض کیا، لیکن آپ اختلاف کرتے رہے۔ الحدیث اخرجہ الحاکم۔ خود حضرت عائشہ صدیقہ نے بھی اس قصہ کو بیان کیا ہے۔ آخرش یہ کہ حضرت صدیق نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ آپ کو کون سا امر مانع آتا ہے کہ آپ اپنے اہل کے پاس جائیں۔ فرمایا مہر۔ حضرت صدیق نے ساڑھے بارہ اوقیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کئے۔ یہ اوقیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے پاس بھیج دیئے اور شب کو اسی مکان میں میرے پاس آئے جس میں آج تک میں ہوں (ابوعمر داور حاکم اس کے راوی ہیں)" (ترجمہ ازالۃ الخفا مقصد دوم ص۲۵)

جناب ابوبکر نے اسلام قبول کیا ——— یہ ان کی پہلی تاریخی ذہانت تھی۔ اپنی انتہائی کمسن بیٹی کو پیغمبر اسلام کے نکاح میں دے دیا۔ یہ دوسری ذہانت۔ حضرت ابوبکر کی ذہانت کا کمال یہ تھا کہ کوئی بھی سنہرا موقعہ ہاتھ سے جانے نہ دیتے۔ جناب محمد مصطفےٰ صلعم نے اعلانِ نبوت کیا اور انہوں نے کلمہ پڑھ لیا۔ ادھر حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہوا اور صاحبزادی کو لے کر پہنچ گئے کہ حضور شادی کر لیجئے۔ یہ آپ کا غم غلط کرے گی ——— چھ سال کی بچی کس طرح غم غلط کرے گی یہ کیسے سمجھ میں آئے؟ اگر عمر چھ برس سے زیادہ تھی تو پھر بھی اتنی زیادہ نہ تھی کہ زفاف ہو سکے۔ لہٰذا تین برس میکے میں رہیں اور وہاں بھی گڑیاں کھیلا کرتی تھیں یا جھولا جھولتی تھیں۔ لہٰذا رسول اللہؐ انکار کرتے رہے جب ابوبکر کا اصرار بڑھتا ہی گیا تو اس خُلقِ عظیم نے ہاں کر دی اور ابوبکر کا مقصد پورا ہو گیا۔ رخصت کرنے میں کم عمری حائل تھی تو خالی نکاح کر دیا اور حقوق محفوظ کر لئے۔ یعنی ذرا سا بھی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا۔

تقریباً تین برس بعد رسول اللہؐ نے مدینہ ہجرت کی اور نبی کے ساتھ ساتھ ایک حکمران کی حیثیت بھی حاصل ہو گئی۔ حضرت ابوبکرؓ کو اپنا مستقبل نظر آنے لگا جس کی اُمید پر آپ سب کچھ کر رہے تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہ بھی مدینہ آگئیں تو حضرت ابوبکر زیادہ انتظار نہ کر سکے اور جناب رسولِ خدا سے پوچھ بیٹھے کہ حضور آپ کو اپنی زوجہ کے پاس جانے میں

کیا رکاوٹ ہے۔ مورخ لکھتے ہیں کہ مہر کی رکاوٹ تھی اور یہ رکاوٹ بھی خود بیٹی کے باپ نے دور کی اور رخصتی ہو گئی۔ ـــــــــ اس طرح حصولِ خلافت کی ایک اور منزل طے ہو گئی۔

ہجرتِ مدینہ

جناب رسالتمآب نے مسلمانوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کی اجازت دی تو جناب ابوبکر نے بھی رختِ سفر باندھا مگر آنحضرتؐ نے انہیں منع کر دیا۔ اسے بھی جناب ابوبکر کی بڑی فضیلت سمجھا جانے لگا۔ صحیح بخاری کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر سے کہا کہ "ابھی ٹھہر جاؤ۔ شاید مجھے بھی ہجرت کا حکم ہو جائے"۔ اس سے یہ مطلب لیا گیا کہ رسول اللہ کو حضرت ابوبکر اتنے عزیز تھے کہ انہیں اپنا رفیقِ سفر بنانے کے لئے چن لیا۔ حالانکہ اگر یہ مطلب لیا جاتا تو زیادہ قرینِ قیاس ہوتا کہ جناب ابوبکر کو ٹھہرنے کا حکم بعض گھریلو قسم کی مجبوریوں کی وجہ سے تھا۔ ان کی بیٹی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں تھی اور رخصتی ابھی ہوئی نہیں تھی۔ ابوبکر چھوڑ کر چلے جاتے، تو ان کے پورے گھر کی ذمہ داری رسول اللہ کے سر آجاتی اور یہ اخلاقی ذمہ داری رسول اللہ کو بدترین حالات کے باوجود نبھانا پڑتی۔ چنانچہ آپ نے جناب ابوبکر کو روک لیا۔

نبوت کے چودھویں برس رسول اللہ کو ہجرت کا حکم ہوا اور آپ حضرت ابوبکر کے ہمراہ مدینہ جانے کے لئے روانہ ہو گئے مگر جناب ابوبکر رسول اللہ کے کس طرح ساتھ ہو گئے۔ اس میں کچھ اختلاف ہے۔ طبری کے مطابق: "عائشہ نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دن ظہر کے وقت ہم اپنے گھر میں تھے اور ابوبکر کے پاس سوائے ان کی دو بیٹیوں میرے اور اسماء کے کوئی اور نہ تھا کہ ٹھیک دوپہر کے وقت رسول اللہ صلعم ہمارے یہاں تشریف لائے۔ آپ روزانہ صبح یا شام ہمارے گھر آیا کرتے تھے۔ ابوبکر نے اس وقت آپ کو آتا دیکھ کر کہا اے نبی اللہ ضرور کوئی بات ہے جس کے لئے آپ نے اس وقت

زحمت گوارا فرمائی۔ اندر آکر آپ نے فرمایا ابوبکر جو یہاں ہو اسے ہٹا دو۔ ابوبکر نے کہا یہاں کوئی مخبر نہیں ہے۔ یہ دونوں میری بیٹیاں ہیں۔ رسول اللہ نے فرمایا۔ اللہ نے مجھے مدینہ جانے کی اجازت دے دی۔ ابوبکر نے کہا تو مجھے رفاقت کا شرف حاصل ہو۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں تم میرے ساتھ چلنا۔ ابوبکر نے کہا آپ میری اونٹنیوں میں سے ایک لے لیجئے۔ یہ دونوں وہی اونٹنیاں تھیں جن کو وہ اِسی غرض سے چرا کر تیار کر رہے تھے تاکہ رسول اللہ کو جانے کی اجازت ہو تو اِن ہی پر سوار ہوں۔ ابوبکر نے اِن میں سے ایک آپ کو دی اور کہا رسول اللہ اسے قبول فرمایئے اور اسی پر آپ سفر کریں۔ آپ نے فرمایا، اچھا میں نے اِسے قیمتاً لے لیا۔

(تاریخ طبری اردو ترجمہ جلد اوّل ص ۱۳۱)

اِس سے ملتی جلتی ایک روایت صحیح بخاری کے باب ہجرۃ النبی میں ہے مگر اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ پھر اسی وقت (یعنی دن کے وقت) چل دیئے۔ حالانکہ اور سب روایتیں رات کی ہجرت کے بارے میں ہیں۔ ایک روایت تو خود طبری کی ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جناب رسول خدا حضرت علیؑ کو اپنے بستر پر سُلا کر رات میں کسی وقت نکلے تھے روایت یہ ہے۔

ابوبکر علی کے پاس آئے اور ان سے نبی صلعم کو دریافت کیا۔ علی نے کہا کہ وہ غارِ ثور چلے گئے ہیں۔ تم چاہو تو وہاں ان کے پاس چلے جاؤ۔ ابوبکر تیزی سے قدم بڑھاتے ہوئے رسول اللہ کے پیچھے چلے اور اثنائے راہ میں آپ کے ساتھ آملے۔ رسول اللہ نے رات کی تاریکی میں ابوبکر کی چاپ سُنی۔ آپ نے سمجھا کہ کوئی مشرک آرہا ہے۔ اس خیال سے آپ قدم بڑھا کر بڑی سُرعت سے چلنے لگے جس سے آپ کے جوتے کا اگلا حصّہ پھٹ گیا اور پتھر کی ٹھوکر سے پاؤں کا انگوٹھا زخمی ہوا۔ جس سے بہت زیادہ خون بہنے لگا اور اب آپ نے رفتار میں اور تیزی کر دی۔ ابوبکر کے دل میں خیال آیا کہ اس طرح میرے تعقب سے آپ کو تکلیف ہوگی۔ انہوں نے بلند آواز میں آپ سے کلام کیا۔ رسول اللہ نے ان کو پہچان لیا اور کھڑے ہو گئے۔ جب وہ آپ کے پاس آ گئے تو پھر دونوں چلے۔ رسول صلعم کا تمام پاؤں خون سے بھر گیا تھا۔ اسی طرح صبح ہوتے ہوتے آپ غارِ ثور پہنچے اور اس کے اندر چلے گئے

تاریخ طبری، اردو ترجمہ، جلد اوّل، صفحہ ۱۳)

طبری کی پہلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلعم جناب ابوبکر سے محض الوداعی ملاقات کرنے کے لئے تشریف لے گئے تھے جناب ابوبکر نے ساتھ چلنے کی اجازت چاہی تو آنحضرتؐ نے مروتاً اجازت دے دی۔ اور طبری کی دوسری روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ ہجرت کے لئے تنہا نکل کھڑے ہوئے اور ابوبکر کو جب علیؑ بن ابی طالب کی زبانی معلوم ہوا کہ حضور غارِ ثور کی طرف تشریف لے گئے ہیں تو آپ بھی ان کے تعقب میں روانہ ہو گئے۔ رسول اللہ نے جو قدموں کی آہٹ سنی تو اپنے قدم تیز کر دیئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رسولؐ اللہ صلعم کو جناب ابوبکر کے آنے کی توقع نہیں تھی۔ اسی لئے سمجھے کہ شائد کوئی مشرک آرہا ہے۔ ان دونوں روایتوں سے یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ جناب رسولؐ خدا ابوبکر کی ہمسفری کے خواہشمند تھے۔ بات دراصل یہ تھی کہ رسول اللہ صلعم ہمیشہ کے لئے شہر چھوڑ رہے تھے۔ ایسے موقع پر آپ کا اپنی سُسرال والوں سے الوداعی ملاقات کے لئے چلے جانا کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے کہ جسے اہمیت دی جائے رہی بخاری شریف کی یہ روایت کہ رسول اللہ جناب ابوبکر کو لے کر دن ہی کے وقت ہجرت کے لئے تشریف لے گئے تھے قابلِ قبول نہیں ہو سکتی کیونکہ تمام روائتیں رات کی ہجرت کے بارے میں ہیں اور حالات کا تقاضا بھی یہی تھا۔

بہرحال جناب ابوبکر حضرت رسولِ خدا کے ہم سفر بنے۔ غارِ ثور تک ہم سفری کی یہ داستان خاصی دلچسپ ہے۔ اس کے کچھ حصّہ کو مولانا شبلی نے اتنا دل آویز بنا دیا ہے کہ دل چاہتا ہے کہ اس کو لکھیں۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔

راستہ بھر یہ حال رہا کہ حضرت صدیق کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ہوتے کبھی آگے نکل جاتے۔ کبھی داہنے بازو پر ہوتے۔ کبھی بائیں بازو پر۔ یہ حالت دیکھ کر حضورؐ نے پوچھا " ابوبکر یہ کیا ہے" یہ اضطراب کیسا؟ عرض کیا جی چاہتا ہے کہ راستے کے کانٹے اور ٹھوکریں مجھی کو لگیں اور حضور محفوظ رہیں تو آگے بڑھ جاتا ہوں۔ جب اندیشہ ہوتا ہے کہ کوئی پیچھے نہ آتا ہو تو پیچھے ہو جاتا ہوں۔ اسی طرح داہنے بائیں سے کسی کے آپڑنے

کا خطرہ ہوتا تو داہنے بازو پر ہو جاتا ہوں۔

مولانا موصوف نے تاریخ سے ایک روایت لی اور اس کے ایک حصہ کو ایسی رنگ آمیزی کے ساتھ پیش کیا کہ جناب ابوبکر عشقِ رسولؐ میں ڈوبے ہوئے نظر آئیں اور کچھ حصّہ کو مجبوراً چھوڑ دیا۔ شاید یہ انہیں اچھا نہیں لگا۔ لیکن یہ کسر ہم پوری کئے دیتے ہیں تاکہ پڑھنے والوں کو پورا لطف آسکے۔

قال فمشیٰ رسول اللہ لیلۃ علیٰ اطراف اصابعہ حتیٰ حفیت رجلاہ فلما رأیٰ ابوبکر انہا قد حفیت حملہ کاھلہ وجعل یشتد بہ حتیٰ اتیٰ بہ فم الغار فانزلہ

ترجمہ:۔ کہا کہ رسول اللہ رات بھر انگلیوں کے بل چلتے رہے یہاں تک کہ آپ کے پیر تھک گئے تو انہیں اپنے کندھے پر اٹھا لیا اور دوڑنے لگے۔ یہاں تک کہ غار کے منہ پر پہنچ گئے اور انہیں اتار دیا (تاریخ النضرہ جلد ۱ صفحہ ۶۹۔ تاریخ خمیس جلد ۱ صفحہ ۳۶۸)

روایات کے مطابق جناب ابوبکر دُبلے پتلے آدمی تھے اور آپ کے پاس پانچ ہزار درہم بھی تھے کہ جس کا وزن کم از کم ایک من تو ہوگا اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک بھاری بھرکم انسان تھے کہ جنہیں کندھوں پر اٹھایا گیا۔ جس احتیاط کی وجہ سے آنحضرت انگلیوں کے بل چل رہے تھے۔ وہی احتیاط ابوبکر کو بھی برتنا تھی۔ چنانچہ دوڑے بھی انگلیوں کے بل ہوں گے۔

ایک دُبلے پتلے آدمی کا ایک من وزنی درہم اٹھا کر اور ایک بھاری بھرکم نبیؐ کو کندھوں پر بٹھا کر انگلیوں کے بل دوڑنا یقیناً کسی معجزے سے کم نہیں۔

معیتِ غار جناب ابوبکرؓ نے رسول اللہ کے ساتھ غارِ ثور میں تین دن قیام فرمایا اور یہ ان کی بڑی فضیلت شمار کی جاتی ہے۔ اسی قیام کے حوالہ سے ایک آیت بھی نازل ہوئی

ترجمہ:۔ اگر تم نے اس (رسولؐ) کی مدد نہ کی (تو کوئی پرواہ نہیں) یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس کی مدد کی ہے جب کہ اِن لوگوں نے جو کافر ہو گئے دو میں سے دوسرے کو نکالا تھا

جب کہ یہ دونوں غار میں تھے جب کہ وہ اپنے ساتھی سے کہتا تھا غم نہ کر بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ پس اللہ نے اِس (اپنے رسولؐ) پر تسکین اتاری اور اس کی مدد ایسے لشکر سے کی جسے تم نے نہیں دیکھا اور اس نے کافروں کی بات کو پست کر دیا۔" دو میں سے دوسرا" جناب رسولِ خدا کو کہا گیا اور یہ جناب ابوبکر کی فضیلت سمجھی جاتی ہے کہ آپ دو میں سے ایک تھے لہذا آج تک ثانی اثنین کہلاتے ہیں اور "یقول لصاحبہ" "ان اللہ معنا" اور "تنزل سکینتہ" میں بھی ان کی فضیلت بیان کی جاتی ہے۔ حالانکہ ان میں سے کسی بات میں بھی فضیلت تلاش کرنا محض اندھے عقیدے کا اظہار ہے۔ رسولؐ کے ساتھ ہونے میں کوئی فضیلت نہیں۔ فضیلت اِس میں ہے کہ ساتھی ہے کیسا۔ رسولؐ اللہ کے دل سے کتنا قریب ہے رسول اللہؐ جناب ابوبکر سے مخاطب ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے نام کے بجائے "صاحب" کا لفظ استعمال کیا۔ یہ لفظ عام ساتھی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ قرآن شریف میں ایسی بہت سی مثالیں ہیں کہ اس لفظ کے استعمال میں مومن اور کافر کی بھی تخصیص نہیں حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے قید خانہ کے دو کافر ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا یا صاحبی السجن ءارباب المتفرقون خیر ام اللہ الواحد القہار۔ یعنی اے میرے قید خانہ کے ساتھیو بہت سے رب اچھے ہیں یا صرف ایک اللہ"۔

رسول اللہؐ نے ابوبکرؓ سے کہا ان اللہ معنا یعنی اللہ ہمارے ساتھ تو اس کی وجہ یہ تھی کہ جناب ابوبکر پر انتہائی حزن و ملال کی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ محمد حسین ہیکل کہتے ہیں کہ مارے گھبراہٹ کے اِن کی پیشانی سے پسینے چھوٹنے لگے تھے (سیرت ابوبکر) ایسی صورت میں تسلی کے لئے یہی کہا جا سکتا تھا کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ غم نہ کرو؛ اِن تسلی کے لفظوں کو جناب ابوبکر کی فضیلت قرار دینا اور ان لفظوں کو محبوبیتِ الٰہی کی دلیل سمجھنا حسنِ ظن والی بات ہے، ورنہ اگر ایسے موقع پر کوئی مشرک بھی رسولؐ اللہ کے ساتھ ہوتا تو آپ اس سے بھی یہی کہہ سکتے تھے۔ کیونکہ اس وقت دونوں ایک کشتی کے سوار ہوتے؛ خطرہ ہوتا تو دونوں ہی کے لئے ہوتا۔ لہذا اللہ کی حمایت مشرک کیلئے بھی ہوتی

یہاں ایک قابلِ غور بات یہ بھی ہے کہ قرآن نے تو اللہ والوں کی یہ شان بیان کی ہے کہ " الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیہم ولا ھم یحزنون " یعنی اللہ کے دوستوں کے دلوں میں کوئی خوف نہیں ہوتا اور نہ وہ غم واندوہ میں مبتلا ہوتے ہیں مگر یہاں رسول اللہ کے سائے میں بیٹھے ہیں۔ پھر بھی اتنی گھبراہٹ کہ پسینے چھوٹ گئے اور پھر ان کے چاہنے والوں کا حسنِ ظن کہ کہتے ہیں حزن وملال اپنی ذات کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ اس وجہ سے تھا کہ کہیں رسول اللہ پر کوئی آنچ نہ آجائے مگر یہ حسنِ ظن رکھنے والے یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ وہ یہی بزرگ تو تھے جو رسول کو وقت آخر چھوڑ کر بیرونِ مدینہ اپنے گھر میں آرام فرما رہے تھے اور رسول کی خبرِ وفات سن کر تشریف لائے، چادر ہٹا کر چہرہ مبارک کو دیکھا اور پیشانی کو چوما مگر نہ تو آنکھیں نم ہوئیں اور نہ چہرے پر حزن وملال کی کوئی کیفیت طاری ہوئی۔ بس ایک تعریفی فقرہ کہا اور اپنا گوہر مراد حاصل کرنے مسجد نبوی اور پھر وہاں سے سقیفہ بنو ساعدہ جا پہنچے۔

" ان اللہ معنا " کے ساتھ " نزل اللہ سکینتہ علیہ " کا بھی کافی تذکرہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جناب ابوبکر پر تسکین نازل کی۔ ہمارے خیال میں جس شخص کے گھبراہٹ کے مارے پسینے چھوٹ رہے ہوں اس پر تسکین ہی نازل کی جاتی ہے جب کہ اس کی گھبراہٹ رسول اللہ کے لئے مصیبت بن سکتی ہو، لہٰذا اس میں بھی جناب ابوبکر کی کوئی فضیلت نہیں کیونکہ یہ تسکین اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو دشمنوں سے محفوظ رکھنے کے لئے نازل کی تھی۔

غارِ ثور میں تین دن قیام کے بعد جناب ابوبکر رسول اللہ کے ہمراہ مدینہ روانہ ہوئے۔ مدینہ پہنچے تو آپ نے شہر کے نواح میں سنح کے مقام پر خارجہ بن زید کے ہاں قیام کیا۔ خارجہ کا تعلق قبیلہ خزرج کی شاخ بنو حارث سے تھا۔ جب تک رسول اللہ حیات رہے آپ نے سنح کو نہ چھوڑا۔ یہاں آپ اپنی نئی بیوی کے ساتھ رہتے رہے

مگر روزانہ مدینہ ضرور جاتے، جہاں آپ کی بیوی اُمِ رُومان اور تمام اولادیں تھیں
جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجر و انصار کے درمیان رشتۂ اخوت قائم
کیا تو جناب ابوبکر کو خارجہ بن زید کا بھائی بنا دیا۔ آپ ان بھائی کے تعاون سے تلاشِ روزگار
میں لگ گئے۔ روزگار کی مصروفیات اور مدینہ سے دوری کے سبب آپ کو دوسروں کی
بہ نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کم نصیب ہوئی۔ مدینہ آنے کے بعد آپ نے
رسول اللہ کی صرف یہ اہم خدمت انجام دی کہ اپنی لختِ جگر جناب عائشہ کو رخصت کر کے
آنحضرت کی خدمت میں پہنچا دیا۔ پھر جنگِ بدر تک کسی قابلِ ذکر خدمت کا ظہور نہیں ہوا

حضرت ابوبکرؓ کا کردار غزوات کی روشنی میں

جنگ بدر رمضان کی ۷ یا ۹ تاریخ کو سن ۲ھ میں ہوئی۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ ابوبکر اس جنگ میں رسُولؐ کی کیا خدمات انجام دیتے ہیں۔ یہ اسلام پر جان دینے کا پہلا موقع تھا کہ مسلمان اپنے سے کئی گنا زیادہ طاقتور دشمن کے مدِمقابل تھے۔ آج لوگوں کے ایمان کا امتحان تھا۔ آج رسول اللہ کے جانثار یہ سوچ رہے تھے کہ ہم سب قتل ہو جائیں مگر آنحضرتؐ محفوظ رہیں مگر جناب ابوبکر کی محبت و جانثاری کا انداز سب سے منفرد تھا۔ محمد حسین ہیکل لکھتے ہیں کہ مسلمانوں نے حضرت سعد بن معاذ کے مشورے سے قریب کی ایک پہاڑی پر شامیانہ لگا دیا اور رسُول اللہ سے عرض کی کہ آپ اِس شامیانے میں تشریف رکھیں اور اگر مسلمانوں کی حالت دگرگوں دیکھیں تو اونٹنی پر سوار ہو کر مدینہ تشریف لے جائیں۔ ابوبکر بھی رسول اللہ کے ہمراہ تھے" (ابوبکر از محمد حسین ہیکل) دیکھئے حضرت ابوبکر نے کتنی اچھی جگہ منتخب کی۔ آپ نے سوچا کہ جب تک ایک بھی جانثار رسُول موجود ہے رسُول پر آنچ نہیں آسکتی۔ لہٰذا رسول کے دامن سے لپٹ جاؤ، بچ جاؤ گے۔

جنگ شروع ہوئی تو رسول اللہ کفار کی کثرت دیکھ کر بار بار دُعا کے لئے ہاتھ پھیلا رہے تھے۔ ایک مرتبہ آپ اس چھوٹے سے چھپر کے باہر نکلے اور مسلمانوں کو پکار کر کہا "مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے کہ آج کے روز جو شخص کفار سے لڑے گا اور اس حالت میں شہید کیا جائے گا کہ اس کے پیشِ نظر صرف اللہ کی رضا اور اس کے دین کی مدد کا جذبہ ہوگا اور اس نے میدانِ جنگ میں کفار کو پیٹھ نہ دکھائی ہوگی تو اللہ اِسے جنت میں داخل فرمائے گا۔ (ابوبکر از محمد حسین ہیکل) مگر جناب ابوبکر پر اس کا

بھی اثر نہیں ہوا۔ اور ہوتا بھی کیوں۔ ایسا بھی جنت کا کیا لالچ کہ رسُولؐ کو چھوڑ کر مرنے
کو چلے جاتے۔ رسول اللہ کی قربت پر ہزار جنتیں قربان ہم جناب ابوبکر کے اس جذبہ کو بہت
سراہتے ہیں جن کے زخم لگے۔ جن کی جانیں گئیں، سب کا جذبہ قربانی اپنی جگہ پر، مگر ابوبکر کا
جذبۂ قربتِ رسُولؐ بے مثال ہے کہ رسول اللہ کی خواہش کے بغیر ان کے قریب ہو گئے۔ کسی
روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جناب رسُولِ خدا نے یہ آرزو کی تھی کہ سب لوگ تو میدان
میں تلواریں کھائیں اور ابوبکر میرا دل بہلائیں۔ یہ تو رسُول اللہ کا خلقِ عظیم تھا کہ جانتے بوجھتے
اس طرح کی صورتِ حال برداشت کر لیتے تھے۔

یہ تو آپ نے دیکھ لیا کہ جناب ابوبکر نے اس جنگ میں عملاً کیا خدمات انجام دیں
مگر عقیدت مند کہتے ہیں کہ جناب ابوبکر کا اصل مقام تو کچھ اور تھا آپ عام فوجیوں کی طرح
صرف تلوار تھوڑی چلاتے تھے۔ آپ تو حضور صلعم کے مشیرِ خاص تھے۔ امن ہو یا جنگ آپ
کے سنہری مشورے رسُول اللہ کا بہت بڑا سرمایہ تھے۔ آیئے دیکھیں کہ اس جنگ کے سلسلہ
میں جناب ابوبکر نے حضور صلعم کو اپنے مشوروں سے کس طرح نوازا۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں

عن انس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شاور الناس یوم
بدر فتکلم ابوبکر فاعرض عنہ ثم تکلم عمر فاعرض عنہ

یعنی انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن لوگوں
سے مشورہ کیا تو ابوبکر بولے، مگر آنحضرتؐ نے ان سے منہ پھیر لیا۔ پھر حضرت عمر بولے تو
آنحضرتؐ نے ان سے بھی منہ پھیر لیا (مسند احمد بن حنبل جلد ۳، مطبوعہ مصر س اشاعت ۱۳۱۳ھ صفحہ ۲۱۹)

علامہ سیوطی فرماتے ہیں۔

فقال عمر ابن الخطاب یا رسول اللہ انہا قریش و عزھا واللہ ما ذلت
منذ عزت و لا آمنت منذ کفرت واللہ لتقاتلنک فتاھب لذلک اھبتہ
و اعدد لہ عدتہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشیر واعلی

ترجمہ۔ پھر حضرت عمر نے کہا یا رسول اللہ یہ قریش اور ان کی عزت کا مقابلہ ہے

خدا کی قسم جب سے وہ صاحب عزت ہوئے انہوں نے ذلت نہیں اٹھائی اور جب سے وہ کافر ہوئے ایمان نہیں لائے۔ اس وجہ سے آپ ان کے مقابلہ کا پورا سامان کر کے تشریف لے چلیں۔ اس پر رسول اللہ نے فرمایا اور کوئی مجھے مشورہ نہ دے

(تفسیر دُرِ منثور جلد ۳ صفحہ ۱۶۶ مطبوعہ دہلی)

علامہ ابن اثیر تاریخ کامل میں لکھتے ہیں۔

آپ نے اپنے صحابہ سے مشورہ طلب فرمایا۔ ابوبکر نے اچھا ہی اچھا کہا اور حضرت عمر نے بھی اچھا ہی اچھا کہا۔ مقداد بن عمرو کھڑے ہوئے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ جب اللہ تعالیٰ نے آپکو حکم دیا ہے تو ہم آپکے ساتھ ہیں۔ واللہ ہم وہ بات نہیں کہیں گے جو بنی اسرائیل نے موسیٰ سے کہی تھی (یعنی آپ اے موسیٰ اور آپکا رب دونوں جائیے اور جنگ کیجئے ہم تو یہاں بیٹھے ہیں) بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ آپ اور آپ کا خدا دونوں لڑیں اور ہم آپ دونوں کے ساتھ مل کر جنگ کریں گے۔ قسم ہے پاک ذاتِ خدا کی جس نے آپ کو برحق نبی بنا کر بھیجا ہے اگر آپ ہم کو ملک حبشہ کے برک الغماد شہر کی طرف لے چلیں گے تو ہم آپ کے ساتھ ساتھ ہر آپ کے مخالف سے جنگ کریں گے، یہاں تک کہ آپ حق پہنچا دیں۔ آنحضرت نے مقداد کی تقریر پر ان کو دعائے خیر و برکت دی اور اس کے بعد ارشاد فرمایا لوگو مجھے مشورہ دو اور اس خطاب سے آپ کا منشا یہ تھا کہ انصار بھی جواب دیں .... اس ارشاد گرامی کے بعد سعد بن معاذ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ کیا آپ کا روئے سخن ہماری طرف ہے آپ نے ارشاد فرمایا ہاں۔ تمہیں سے خطاب ہے تو سعد بن معاذ نے کہا ہم آپ پر ایمان لا چکے ہیں اور آپ کی تصدیق کر چکے ہیں اور اپنے قول و قرار آپ کو دے چکے ہیں۔ بس اب آپ یا رسول اللہ جس چیز کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اس کی طرف قدم آگے بڑھائیے۔ قسم اس خدا کی جس نے آپ کو برحق نبی بنا کر بھیجا ہے۔ اب اگر ہماری راہ میں سمندر حائل ہوا اور آپ اس کے اندر گھس پڑیں تو واللہ ہم بھی آپ کے ساتھ اس کے اندر گھس پڑیں گے۔ ہم لوگ مصائب کے برداشت کرنے میں پکے مضبوط صابر ہیں اور کامل و مکمل وفائے عہد کے تحت جنگ میں

صادق القول ہیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے آپ کو وہ چیزیں دکھائے گا جس سے آپ کی آنکھوں میں ٹھنڈک پیدا ہو گی۔ پس اللہ کی برکتوں کے سائے میں ہمیں اپنے ساتھ لے چلئے۔ (تاریخ کامل جلد ۲، اردو، ابن اثیر، دائرہ معین المعارف صفحہ ۱۸۱ تا ۱۹۰)

آخر میں طبری کی روایت:۔

آپ کو اطلاع ملی کہ قریش اپنے قافلہ کی مدافعت کے لئے آرہے ہیں۔ آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ سب سے پہلے ابوبکر نے کھڑے ہو کر حمایت اور جانثاری کا وعدہ کیا پھر عمر بن خطاب نے اس قسم کی تقریر کی۔ اس کے بعد مقداد بن عمرو کھڑے ہوئے ...
(طبری جلد ۱ صفحہ ۱۶۹) طبری نے بھی ابن اثیر کی طرح مقداد بن عمرو اور سعد بن معاذ کی پُرجوش تقریریں تفصیل کے ساتھ نقل کی ہیں۔ ہم نے تکرار سے بچنے کیلئے انہیں نہیں لکھا۔

جناب ابوبکر کی اصل اہمیت تو یہی بتائی جاتی ہے کہ آپ رسول اللہ کے مشیر خاص تھے اور بڑے قیمتی مشورے دیتے تھے مگر جنگ بدر کے سلسلہ میں جو روایتیں پیش کی گئیں ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابوبکرؓ اور عمرؓ مشورہ دینا چاہتے ہیں مگر رسول اللہ مُنہ پھیر لیتے ہیں۔ عمرؓ بولتے ہیں تو اس طرح کہ گویا کفارِ مکہ کی دھاک بٹھانا چاہتے ہیں تاکہ مسلمان لڑنے سے کترائیں۔ ایک روایت کے مطابق ابوبکر اور عمر صرف اچھا اچھا کرتے رہے صرف طبری نے کہا کہ یہ حضرات حمایت میں کچھ بولے۔ معلوم یہ ہوا کہ جو لوگ میدانِ جنگ میں تلوار کے دھنی تھے وہی کامل اطاعت کا مظہر تھے۔ غیرت دار تھے اور ایفائے عہد کے لئے ہر قربانی دینے کو تیار۔ مقداد بن عمرو اور سعد بن معاذ دونوں کی پُرجوش تقریریں ان کے ایمان و اخلاص پر گواہ۔ ان دونوں کی تقریریں ہر روایت میں موجود۔ تو معلوم ہوا کہ جنگ سے پہلے صلاح و مشورے کی بات ہوتی تو جناب ابوبکر نہ کوئی معقول رائے دیتے اور نہ ہی کسی جوش و خروش کا مظاہرہ کرتے اور اگر جنگ کی نوبت آہی جاتی تو میدان جنگ میں بھی گوشۂ امن تلاش کر لیتے۔

جنگِ بدر میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور سردارانِ قریش قتل ہوئے اور

بڑے بڑے عزت داروں کی شکلیں کٹ گئیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پورا مکہ آتشِ انتقام سے سلگنے لگا اور ایک نئی جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہوگیا۔

غزوۂ اُحد | کفارِ مکہ بدر کا انتقام لینے کے لئے تقریباً ایک برس بعد شوال ۳ھ میں اُحد کے دامن میں جمع ہوئے۔ تعداد ۳ ہزار اور لشکر کا سردار ابوسفیان تھا۔ اِدھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سات سو کا لشکر لے کر مدِمقابل ہوئے۔ کفار کے لشکر کا نشان بردار طلحہ بن عثمان تھا اور رسول اللہ کی فوج کا علم مصعب بن عمیر کے پاس تھا اور ان کی شہادت کے بعد یہ علم رسول اللہ نے حضرت علیؑ کو عطا کیا (طبری) رایت یعنی لشکرِ اسلام کا بڑا علم حضرت علی کو عطا کیا گیا (تاریخ خمیس) کسی روایت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ جناب ابوبکر کو کسی موقع پر نشانِ لشکر دیا گیا ہو۔ اس جنگ میں تو یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ آپ دورانِ جنگ کہاں رہے، کس کو قتل کیا، کسے زخمی کیا۔ خود بھی زخمی ہوئے یا نہیں۔ جب کہ دوسرے مجاہدوں کے بارے میں ہر مورخ نے بڑی تفصیل سے لکھا۔

مورخ طبری لکھتا ہے۔

طلحہ بن عثمان مشرکوں کے علمبردار نے میدان میں نکل کر کہا۔ اے محمد کے ساتھیو! تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ اللہ ہم کو تمہاری تلواروں کے ذریعہ بہت جلد دوزخ میں لے جائیگا اور تم کو ہماری تلواروں کے ذریعہ جنت میں داخل کر دے گا۔ لہٰذا کوئی مردِ میدان ہے جسے اللہ میری تلوار سے فوراً جنت میں لے جائے یا اس کی تلوار سے مجھے دوزخ دکھائے۔ علی بن ابی طالب کھڑے ہوئے اور کہا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں اس وقت تک تجھ کو نہ چھوڑوں گا جب تک کہ اپنی تلوار سے تجھے جہنم واصل نہ کردوں یا تیری تلوار سے جنت میں نہ جاؤں۔ علی نے تلوار کے ایک ہی وار سے اس کا پاؤں قطع کر دیا وہ اس طرح گرا کہ اس کی شرم گاہ کھل گئی۔ کہنے لگا کہ اے میرے بھائی میں تم کو اللہ اور اپنی قرابت کا واسطہ دیتا ہوں کہ مجھے نہ مارو۔ علی نے اسے چھوڑ دیا۔ رسول اللہ نے تکبیر کہی، صحابہ نے حضرت علی سے پوچھا کہ تم نے کیوں اس کا کام تمام نہ کر دیا۔ کہنے لگے کہ میرے چچیرے

بھائی کی جب شرم گاہ عریاں ہوگئی۔ اس نے مجھے اللہ اور قرابت کا واسطہ دیا۔ مجھے شرم آگئی پھر زبیر بن عوام اور مقداد بن الاسود نے مشرکوں پر حملہ کیا اور ان کو مار بھگایا۔ رسول اللہ صلعم اور آپ کے صحابہ نے حملہ کیا اور ابوسفیان کو بھگا دیا (اردو ترجمہ تاریخ طبری ص۲۲۲)

مورخ ابن اثیر لکھتا ہے۔

حمزہ علی اور ابو دجانہ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ کافروں کی جماعتوں کے اندر گھس گئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد مسلمانوں پر بھیج دی تھی اور کفار کو شکست ہو چکی تھی۔

(اردو ترجمہ تاریخ کامل ص۲۴۲)

علامہ شبلی نعمانی نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

۷ شوال ہفتہ کے دن لڑائی شروع ہوئی۔ سب سے پہلے زبیر نے اپنی رکاب کی فوج لے کر حملہ کیا اور قریش کے میمنہ کو شکست دی۔ پھر جنگ شروع ہوئی۔ حضرت حمزہ، حضرت علی، اور ابودجانہ فوج میں گھس گئے اور ان کی صفیں الٹ دیں (الفاروق، علامہ شبلی نعمانی ص۴۹)

حضرت حمزہ کی شجاعت کا حال طبری کی زبانی :۔

مصعب کی شہادت کے بعد آپ نے اپنا علم علی بن ابی طالب کو دے دیا۔ حمزہ بن عبد المطلب دشمن سے لڑے۔ انہوں نے ارطاۃ بن عبد شرحبیل بن ہاشم بن عبد مناف بن عبد الدار کو اس روز جو قریش کے علمبرداروں میں تھا قتل کر دیا۔ پھر ابونیار سباع بن عبد العزیٰ الغیشانی ان کے پاس سے گزرا۔ حمزہ بن عبد المطلب نے اس سے کہا۔ اے عورتوں کے ختنہ کرنے والی کے بیٹے میری طرف آؤ۔ اس کی ماں ام انمار شریق بن عمرو بن وہب الثقفی کی باندی تھی اور مکہ میں ختنہ کیا کرتی تھی۔ دونوں کا مقابلہ ہوا۔ حمزہ نے ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔ جبیر بن مطعم کا غلام وحشی کہتا ہے کہ اب تک حمزہ کی صورت میری نظروں میں ہے ان کی یہ حالت تھی کہ وہ اپنی تلوار سے لوگوں کے پرنے پرنے کر رہے تھے اور خاکی رنگ کے تمام اونٹ کی طرح جو چیز سامنے آتی اسے وہ گرا دیتا۔" (اردو ترجمہ تاریخ طبری جلد ۱ ص۲۲۶)

طبری اور ابن اثیر حضرت علی کی شجاعت کے بارے میں لکھتے ہیں۔

ابورافع سے مروی ہے کہ جب علی ابنِ ابی طالب نے مشرکین کے علمبرداروں کو تہ تیغ کردیا۔ رسول اللہ کی نظر مشرکوں کی ایک اور جماعت پر پڑی۔ آپ نے علی سے کہا اس پر حملہ کرو۔ انھوں نے حملہ کرکے اِس جماعت کو منتشر کردیا اور بنی عامر بن لوی کے شیبہ بن مالک کو قتل کردیا۔ حضرت جبرائیل نے رسول اللہ صلعم سے کہا کہ یہ ہے ہمدردی۔ آپ نے فرمایا۔ بیشک علی مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔ جبرائیل نے کہا میں آپ دونوں کا تیسرا ہوں۔ نیز صحابہ نے یہ آواز سنی "لاسیف الا ذوالفقار۔ و لا فتیٰ الا علی" تلوار صرف ذوالفقار اور جواں مرد صرف علی۔

(تاریخ طبری اردو جلد ا صفحہ ۲۲۴۔ تاریخ کامل اردو جلد ۲ صفحہ ۲۶۴)

علی، حمزہ، ابودجانہ اور سعد بن ابی وقاص سب ہی کی بہادری کے چرچے ہوئے مگر جناب ابوبکر کے لئے کہیں کوئی روایت نہیں ملتی کہ آپ نے کیا کیا۔ آپ کہاں رہے بس اُحد میں جانا معلوم اور رسول اللہ صلعم کو چھوڑ کر فرار ہونے والوں میں شامل ہونا معلوم البتہ محمد حسین ہیکل یہ لکھنے پر مجبور ہوئے کہ "اِس دن ابوبکر نے بھی بہادری کا مظاہرہ کرنے میں دوسروں سے کم حصّہ نہیں لیا"۔ ابوبکر اور یہ لفظ "بھی" اس بات کو ظاہر کررہی ہے کہ ہیکل کو بھی کسی تاریخی ماخذ سے حضرت ابوبکر کا کوئی کارنامہ نہیں ملا۔ لہذا عقیدت مندی کے جذبات نے انہیں یہ فرض کرنے پر مجبور کردیا کہ جناب ابوبکر رسول اللہ کے سب سے بڑے صحابی تھے لہٰذا وہ بہادری دکھانے میں دوسروں سے کم کیسے ہوسکتے ہیں واقعی عقیدے کی مجبوری بڑی مجبوری ہوتی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ہی کو لے لیجیئے آپ ازالۃ الخفاء میں جناب ابوبکر کے فرار کا حال اس طرح تحریر فرماتے ہیں کہ "حضرت عائشہ صدیقہ حضرت صدیق سے روایت کرتی ہیں کہ جنگِ اُحد کے دن جب مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے متفرق ہوگئے تو حضرت صدیق فرماتے ہیں سب سے پہلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا (ازالۃ الخفاء صفحہ ۲۷-۲۸) مگر آگے چل کر فرماتے ہیں"۔ اس متفرق ہونے سے فرار ہونا مراد نہیں ہے بلکہ فوجِ کفار کے آنحضرت

کی فوج میں گھس آنے سے مسلمانوں کا منتشر ہونا مراد ہے۔" جناب شاہ ولی اللہ اپنی اس وضاحت سے یہ تأثر دینا چاہتے ہیں کہ کفار کی فوج اچانک حملہ آور ہو کر آنحضرت کی فوج میں گھس آئی تو مسلمان تھوڑا سا اِدھر اُدھر ہو گئے۔ ہم اصل صورتِ حال کو واضح کرنے کیلئے محمد حسین ہیکل کی تحریر نقل کرتے ہیں۔" خالد بن ولید نے دور سے یہ ماجرا دیکھ کر موقع غنیمت جانا اور پشت کی طرف سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ مسلمان اس اچانک حملے کی تاب نہ لا سکے اور منتشر ہو گئے۔ اس دوران رسول اللہ کو بھی کفار کی سنگ باری سے زخم آئے۔ کفار نے شور مچا دیا کہ محمدؐ مارے گئے۔ اس خبر نے مسلمانوں کی ہمتوں کو بالکل ہی پست کر دیا۔ اگر بعض جانثار صحابہ آپ کے چاروں طرف کھڑے ہو کر دشمن کی لگاتار یورش کا مقابلہ نہ کرتے اور آپ خدانخواستہ شہید ہو جاتے تو پھر اسلام کا خاتمہ تھا۔"

اس عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ چند جانثار صحابہ ثابت قدم رہے۔ یقیناً یہ اپنے جذبہ جانثاری اور بہادری کی وجہ سے ثابت قدم رہے اور جو لوگ منتشر ہوئے انھوں نے کسی مجبوری کی وجہ سے ایسا نہیں کیا بلکہ ایمان کی کمزوری یا منافقت اور بزدلی کی وجہ سے ایسا کیا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تحریر سے تو بات بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں

منقول ست کہ چوں مسلمانانِ روی بہ ہزیمت آوردند و حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تنہا گذاشتند حضرت در غضب آمد و عرق از پیشانی ہمایونش متقاطر گشت مثال مروارید دوید در آں حالت نظر کرد علی ابن ابی طالب را کہ بر پہلوی مبارکش ایستادہ است فرمود چوں ست کہ تو بہ برادران خود ملحق نہ گشتی علی گفت لا کفر بعد الایمان ان لی بك اسوۃ آیا کافر شوم بعد از ایمان۔ بدرستی کہ مرا بہ تو اقتدا است یعنی مرا بشما کار است با یاران و برادران کہ در پی غنیمت رفتند و ہزیمت نمودند چہ کار دارم۔

ترجمہ:۔ منقول ہے کہ (احد کے دن) ہزیمت اٹھانا پڑی اور انہوں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہا چھوڑ دیا۔ حضرت غضبناک ہوئے اور پیشانی سے پسینہ کے قطرے مثل موتیوں کے ڈھلکنے لگے۔ اسی حالت میں آپ نے علی ابن ابی طالب کو اپنے

پہلو میں کھڑا ہوا دیکھا تو فرمایا کہ تم اپنے بھائیوں (برادرانِ اسلام) کے ساتھ کیوں بھاگ گئے۔ حضرت علی نے جواب دیا کہ کیا ایمان لانے کے بعد کافر ہو جاؤں۔ میں تو آپ کا فرمان بردار ہوں۔ مجھے صرف آپ سے سروکار ہے۔ اور وہ لوگ کہ جو مالِ غنیمت حاصل کرنے کے لئے دوڑ پڑے اور ہزیمت اٹھائی مجھے ان سے کیا واسطہ۔

(مدارج النبوۃ جلد دوم صہ ۱۲۱، مطبوعہ نولکشور، لکھنو)

سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ قرآن کہہ رہا ہے" جب تم بھاگے جا رہے تھے اور کسی کی طرف مُڑ کر نہ دیکھتے تھے اور رسول تم کو پیچھے کی طرف بُلا رہا تھا لیکن تم مُڑ کر بھی نہیں دیکھتے تھے" بخاری میں اس آیت کی تفسیر اس طرح ہے۔ عمر بن خالد زہیر، ابو اسحٰق، حضرت برا بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ان کو کہتے ہوئے سُنا کہ رسول اللہ نے اُحد کے دن پیدل فوج کے سردار حضرت عبداللہ بن جبیر کو مقرر فرمایا، چنانچہ تمام لشکر مدینہ کی طرف بھاگ کھڑا ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بُلا رہے تھے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی

تاریخ سے ثابت ہے کہ مسلمان میدانِ جنگ سے بھاگے۔ قرآن کہہ رہا ہے کہ ایسا بھاگے کہ پلٹ کر بھی نہیں دیکھا۔ اللہ کا رسول آوازیں دے رہا تھا مگر یہ نہیں سُن رہے تھے مگر شاہ ولی اللہ کہتے ہیں کہ لشکرِ کفار مسلمانوں کے لشکر میں گھس آیا تھا لہٰذا مسلمان متفرق ہو گئے تھے۔ متفرق ہونے کو بھاگنا نہ کہو

جنگِ احزاب | یہ جنگ شوال ۵ھ میں ہوئی۔ دشمنانِ اسلام کا لشکر جس کی تعداد دس ہزار تھی۔ مدینہ پر چڑھ آیا۔ اس میں کفارِ مکہ اور دیگر قبائل کے علاوہ یہودی بھی تھے۔ سردارِ لشکر ابو سفیان تھا۔ اس مرتبہ رسول اللہ نے مدینہ ہی میں رہ کر دشمن کا مقابلہ کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ شہر کے غیر محفوظ حصہ میں خندق کھود کر اپنے دفاع کے لئے تیار ہو گئے۔ خندق درمیان میں حائل ہونے کی وجہ سے دشمن کوئی بڑا حملہ نہیں کر سکتا لہٰذا بیس دن یونہی گذر گئے۔ کہتے ہیں کہ دشمن خندق کے قریب آتا ہوا نظر آتا تو مسلمان پتھراؤ

کر کے اُسے روک دیتے۔ اکیسویں دن ایک نامی گرامی پہلوان کہ جس کا نام عمر بن ود تھا
اپنے ساتھیوں سمیت جست لگا کر خندق کے پار آ گیا اور مسلمانوں کو للکارنے لگا۔ مسلمان
تو پہلے ہی خوف زدہ تھے۔ اس کا جواب کون دیتا۔ یہ عرب کا جانا پہچانا سورما تھا۔ اِس
کے مقابلے کے لئے جانے کا مطلب موت کے مُنہ میں جانا تھا۔ چنانچہ وہی اس کا جواب دے
سکتا تھا کہ جسے اپنی جان سے زیادہ رسول اللہ کے مشن سے محبت ہو۔ لہذا اگر وہ مومنین
کے سردار علی ابنِ ابی طالب کھڑے ہو گئے اور اجازت طلب کی۔ کہتے ہیں کہ رسُول اللہ
نے انہیں بٹھا دیا اور مسلمانوں کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ ہے کوئی تم میں سے ایسا کہ جو اس
کے مقابلہ کو جائے مگر کوئی تیار نہ ہوا تو علی ابنِ ابی طالب کو اجازت دے دی۔ شاید
رسول اللہ محبت کے دعویداروں کو آزما رہے تھے کہ کسی کے لئے یہ کہنے کی گنجائش نہ
رہے کہ علؑی تو فوراً ہی کھڑے ہو گئے ورنہ اگر موقع ملتا تو ہم ضرور جاتے۔ یہاں اس تفصیل
میں نہیں جانا ہے کہ رسُول اللہ نے علی کو کس شان سے بھیجا اور آپ نے کس طرح سے
دشمن کو تہہ تیغ کیا۔ ہم تو ان لوگوں کو تلاش کر رہے ہیں کہ جنھیں یارانِ رسول کے نام سے
یاد کیا جاتا ہے اور خاص طور سے یارِ غار کو کہ جن کے تذکرے کی سعادت اِس وقت ہمیں
حاصل ہے۔ بہت ڈھونڈا مگر اس جنگ میں ان کا کوئی تذکرہ نہیں ملا کہ وہ کہاں رہے
اور ان پر کیا گذری۔ البتہ قرآن مختلف گروہوں کی قلبی کیفیات پیش کر رہا ہے اور ماضی
کی دو اہم جنگوں یعنی بدر اور احُد کے ریکارڈ کو سامنے رکھا جائے تو ان کیفیات کے
سہارے اِن افراد کی جگہ معلوم ہو جائے گی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو یاد کرو اللہ کے احسان کو جو (ابھی ابھی) اس نے
تم پر کیا ہے۔ جب لشکر تم پر چڑھ آئے تو ہم نے ان پر ایک سخت آندھی بھیج دی اور
ایسی فوجیں روانہ کیں جو تم کو نظر نہ آتی تھیں۔ اللہ وہ سب کچھ دیکھ رہا تھا جو تم لوگ
اس وقت کر رہے تھے جب وہ اُوپر سے اور نیچے سے تم پر چڑھ آئے۔ جب خوف کے
مارے آنکھیں پتھرا گئیں، کلیجے مُنہ کو آ گئے اور تم لوگ اللہ کے بارے میں طرح طرح

کے گمان کرنے لگے۔ اس وقت ایمان لانے والے خوب آزمائے گئے اور بُری طرح ہلا مارے گئے۔ (آیت ۹ تا ۱۱ الاحزاب ترجمہ تفہیم القرآن، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی)

"یاد کرو وہ وقت جب منافقین اور وہ سب لوگ جن کے دلوں میں روگ تھا۔ صاف صاف کہہ رہے تھے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے جو وعدے ہم سے کئے تھے وہ فریب کے سوا کچھ نہ تھے۔ جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا کہ "اے یثرب کے لوگو تمہارے لئے اب ٹھہرنے کا موقع نہیں۔ پلٹ چلو۔" جب ان کا ایک فریق یہ کہہ کر نبیؐ سے رخصت طلب کر رہا تھا کہ "ہمارے گھر خطرے میں ہیں" حالانکہ وہ خطرے میں نہ تھے۔ در اصل وہ (محاذِ جنگ سے) بھاگنا چاہتے تھے۔ اگر شہر کے اطراف سے دشمن گھس آئے ہوتے اور انہیں فتنے کی طرف دعوت دی جاتی تو یہ اس میں جا پڑتے اور مشکل ہی سے انہیں شریکِ فتنہ ہونے میں تامل ہوتا۔ ان لوگوں نے اس سے پہلے اللہ سے عہد کیا تھا کہ یہ پیٹھ نہ پھیریں گے اور اللہ سے کئے ہوئے عہد کی بازپرس تو ہونی ہی تھی (۱۲ تا ۱۵ الاحزاب)

"اللہ تم میں سے ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو (جنگ کے کام میں) رکاوٹیں ڈالنے والے ہیں جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں کہ "آؤ ہماری طرف" جو لڑائی میں حصہ لیتے بھی ہیں تو بس نام گنانے کو، جو تمہارا ساتھ دینے میں سخت بخیل ہیں۔ خطرے کا وقت آجائے تو اس طرح دیدے پھرا پھرا کر تمہاری طرف دیکھتے ہیں جیسے کسی مرنے والے پر غشی طاری ہو رہی ہو مگر جب خطرہ گذر جاتا ہے تو یہی لوگ فائدوں کے حریص بن کر قینچی کی طرح چلتی ہوئی زبانیں لئے تمہارے استقبال کو آجاتے ہیں۔ یہ لوگ ہرگز ایمان نہیں لاتے، اسی لئے اللہ نے ان کے سارے اعمال ضائع کر دیئے اور ایسا کرنا اللہ کے لئے بہت آسان ہے۔ یہ سمجھ رہے ہیں کہ حملہ آور گروہ ابھی گئے نہیں ہیں اور اگر وہ پھر حملہ آور ہو جائیں تو ان کا جی چاہتا ہے کہ اس موقع پر یہ کہیں صحرا میں بدوؤں کے درمیان جا بیٹھیں اور وہیں سے تمہارے حالات پوچھتے رہیں۔ تاہم اگر یہ تمہارے درمیان رہے بھی تو لڑائی میں کم ہی حصہ لیں گے۔

درحقیقت تم لوگوں کے لئے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ تھا ہراس شخص کے لئے جو اللہ اور یومِ آخر کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔

(آیت ۱۸-۲۱، الاحزاب، ترجمہ تفہیم القرآن، مولانا مودودی)

دوسرے گروہ میں سچے مؤمنین کا حال بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

" اور سچے مومنوں (کا حال اس وقت یہ تھا) جب انہوں نے حملہ آور لشکروں کو دیکھا تو پکار اُٹھے کہ یہ وہی چیز ہے جس کا اللہ اور اس کے رسُول نے ہم سے وعدہ کیا تھا۔ اللہ اور اس کے رسول کی بات سچی تھی۔ اِس واقعہ نے اِن کے ایمان اور ان کی سپردگی کو اور زیادہ بڑھا دیا۔ ایمان لانے والوں میں ایسے لوگ موجود ہیں جنھوں نے اللہ سے کئے ہوئے عہد کو سچا کر دکھایا ہے۔ ان میں سے کوئی اپنی نذر پوری کر چکا اور کوئی وقت آنے کا منتظر ہے۔ انھوں نے اپنے رویے میں کوئی تبدیلی نہیں کی (یہ سب کچھ اس لئے ہوا) تاکہ اللہ سچوں کو ان کی سچائی کی جزا دے اور منافقوں کو چاہے تو سزا دے اور چاہے تو ان کی توبہ قبول کرلے۔ بیشک اللہ غفور و رحیم ہے"۔

(آیت ۲۲-۲۴، ترجمہ تفہیم القرآن، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی)

آیت ۱۱ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی فرماتے ہیں۔

ایمان لانے والوں سے مُراد یہاں وہ سب لوگ ہیں جنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسُول مان کر اپنے آپ کو حضُور کے پیروؤں میں شامل کیا تھا جن میں سے اہلِ ایمان بھی شامل تھے اور منافقین بھی۔ اس پیراگراف میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے گروہ کا مجموعی طور پر ذکر فرمایا ہے" (تفہیم القرآن) اس کا مطلب یہ ہوا کہ کیا مومن اور کیا منافق سب کا یہ حال تھا کہ مارے خوف کے آنکھیں پتھرا گئی تھیں اور کلیجے مُنہ کو آگئے تھے اور آیت ۱۲ تا ۱۵ میں دو طرح کے لوگوں کا ذکر ہے۔ ایک تو منافق اور دُوسرے وہ لوگ کہ جن کے دلوں میں روگ تھا۔ حالت دونوں کی ایک جیسی بیان کی گئی ہے لیکن دونوں کو الگ الگ ناموں سے مخاطب کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی ایمانی کیفیت

میں فرق تھا۔ منافق وہ لوگ تھے کہ جو سرے سے ایمان ہی نہیں لائے تھے مگر بظاہر کلمہ پڑھ کر مسلمانوں کی صفوں میں شامل ہو گئے تھے اور جن کے دلوں میں روگ تھا وہ لوگ تھے کہ جو صدقِ دل سے ایمان نہیں لائے تھے اور اکثر آزمائش کے موقع پر شکوک و شبہات کا شکار ہو جاتے تھے، یہ وہی اہلِ ایمان تھے کہ جنہیں .... منافقوں کے ساتھ مخاطب کر کے ان کے خوف و ہراس اور شکوک و شبہات کا ذکر کیا گیا۔ تیسری قسم اِن لوگوں کی بیان کی گئی کہ جو کھرے مومن تھے کہ جن کی حالت یہ تھی کہ خوفزدہ ہونے اور شکوک میں پڑنے کے بجائے ان کا یقین اور پختہ ہو گیا تھا۔

ہم سمجھتے ہیں کہ ان آیات کا مطالعہ کرتے وقت اگر تمام یارانِ رسول اور خاص طور سے یارِ غار کی سابقہ جنگوں کے ریکارڈ کو پیشِ نظر رکھا جائے تو ان لوگوں کے مقام کا صحیح اندازہ ہو جائے گا اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ احزاب کے موقع پر جناب ابوبکر پر کیا گذری۔

صلح حدیبیہ | ۶ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ہمراہ عمرے کی نیت سے مکہ روانہ ہوئے۔ کفارِ قریش نے روکنے کی کوشش کی تو آپ نے حدیبیہ میں قیام کیا اور یہیں کفارِ مکہ اور رسول اللہ کے درمیان ایک صلح نامہ مرتب کیا گیا جو صلح نامہ حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے۔ حدیبیہ میں جناب ابوبکر کی کوئی قابلِ ذکر خدمت سامنے نہیں آئی مگر دو جگہ تذکرہ کچھ اِس طرح سے ہے کہ آپ کی شخصیت کے بعض پہلو سامنے آتے ہیں۔ ہوا یہ کہ قریش کی طرف سے ایک شخص عروہ بن مسعود رسول اللہ سے گفتگو کرنے کے لئے آیا۔ اس نے دورانِ گفتگو چند معنی خیز فقرے کہے، ملاحظہ ہو!

مجھے جو مختلف صورتیں تمہارے ساتھ نظر آ رہی ہیں ان میں ایسے لوگ ہیں جن کی فطرت یہ ہے کہ وہ بھاگ جائیں۔ تم کو دشمن کے نرغے میں چھوڑ دیں۔ اس بات کو سن کر ابوبکر نے کہا "تو لات" کی شرم گاہ کو چوس کیا ہم بھاگ جائیں گے اور ان کو چھوڑ دیں گے"۔

(اردو ترجمہ تاریخ طبری، حصہ اول صفحہ ۳۲۹)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس وقت غزوہ کو رسول اللہؐ کے ارد گرد کچھ ایسے لوگ ضرور نظر آ رہے تھے کہ جن کی اس فطرت کا اسے عملی تجربہ ہو چکا تھا ہو سکتا ہے کہ احد میں بھاگنے والے بعض چہروں کو اس نے پہچان لیا ہو۔ خاص طور سے جناب ابوبکر کے بھڑک اٹھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ روئے سخن انہی کی طرف تھا۔ یاد رہے کہ اس بات کو طبری کے علاوہ بھی اور دوسرے معتبر لوگوں نے لکھا ہے کہ جس کا تذکرہ خاندان کے باب میں ہو چکا ہے۔ ایک اور جگہ آپ کا تذکرہ اس طرح سے ہے۔ "معاہدہ ابھی لکھا بھی نہیں جا چکا تھا کہ عمرؓ جناب ابوبکر کے پاس پہنچے اور کہا اس طرح دب کر کیوں صلح کی جاتے۔ انہوں نے سمجھایا کہ رسول اللہؐ جو کچھ کرتے ہیں اسی میں مصلحت ہوتی ہے"۔ (الفاروق) یہ جناب ابوبکر کی ذہانت اور سوجھ بوجھ کا کمال تھا کہ ایک مرتبہ کلمہ پڑھ لینے کے بعد کبھی رسالت پر شک ظاہر نہیں کیا اور ہمیشہ ہاں میں ہاں ملاتے رہے اور یہ سلسلہ رسول اللہؐ کے صاحب فراموش ہونے تک قائم رہا۔

غزوہ خیبر مدینہ سے تقریباً نوّے ۹۰ میل دور شمال میں واقع یہودیوں کی ایک خوشحال بستی خیبر تھی۔ یہاں چھوٹے بڑے دس قلعے تھے۔ سب سے بڑا اور مضبوط "قلعہ قموص" تھا یہودی عرصہ سے مسلمانوں کے دشمن بنے ہوئے تھے اور اس دشمنی میں مسلسل اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ جنگِ احزاب میں ہزیمت اٹھانے اور بنو قریظہ کے یہودیوں کے قتلِ عام کے بعد خیبر والوں نے مسلمانوں کے خلاف جنگی تیاریاں شروع کر دی تھیں

ادھر رسول اللہؐ کو بھی صلح حدیبیہ کے بعد مکہ کے کافروں کی طرف سے اطمینان ہو گیا تھا لہٰذا آپ محرم ۷ھ میں چودہ سو پیادے اور دو سو سوار لے کر یہودیوں کے مقابلے کے لئے خیبر روانہ ہوئے اور خیبر سے تھوڑی دور رجیع کے مقام پر خیمہ زن ہوئے۔ اسی مقام سے خیبر کی قلعہ بندیوں کو فتح کرنے کے لئے لشکر بھیجا جاتا تھا۔ مہینہ بھر کے اندر اندر سارے قلعے فتح کر لئے گئے مگر قلعہ قموص فتح نہ ہو سکا۔ بالآخر اسے حضرت علی بن ابی طالبؑ نے فتح کیا

یہ پہلا غزوہ تھا کہ جس میں جناب ابوبکر اور جناب عمر کی جان پر بن آئی تھی انہیں ایک بڑے لشکر کو لے کر یہودیوں کے سب سے مضبوط گڑھ "قموص" کو فتح کرنے کے لئے

جانا تھا۔ یہ دونوں حضرات جانے کو تو چلے گئے مگر اتنی احتیاط سے گئے کہ جان خطرے میں نہ پڑے۔ طبری لکھتا ہے۔

"بریدۃ الاسلمیٰ سے مروی ہے کہ اہل خیبر کے قلعہ کے مقابل ہو کر رسول اللہؐ نے اپنا علم عمر بن خطاب کو دیا کچھ لوگ ان کے ساتھ ہو کر قلعہ پر حملہ آور ہوئے۔ اہلِ خیبر نے اِن کا مقابلہ کیا، عمر اور ان کے ہمراہی پسپا ہو کر رسول اللہ صلعم کے پاس پلٹ آئے عمر کے ہمراہی ان کو اور عمر ان کو بزدل ٹھہرانے لگے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا۔ میں کل ایسے شخص کو علم دوں گا جو اللہ اور اس کے رسولؐ کو دوست رکھتا ہے اور جو اللہ اور اس کے رسولؐ کا محبوب ہے۔ دوسرے دن ابوبکر اور عمر نے جھنڈا لینے کے لئے ہاتھ پھیلایا۔ آپ نے علی کو بلایا۔ ان کو آشوب چشم تھا۔ آپ نے ان کی آنکھوں پر تھوک لگا دیا اور اپنا جھنڈا ان کو دیا۔ (تاریخ طبری جلد اوّل ص۳۵۹)

مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں۔

آنحضرت نے ابوبکر کو سپہ سالار بنا کر بھیجا لیکن وہ ناکام آئے پھر حضرت عمر مامور ہوئے اور برابر دو دن جا کر لڑے لیکن دونوں دن ناکام رہے۔ آنحضرتؐ نے یہ دیکھ کر فرمایا۔ کل میں ایسے شخص کو علم دوں گا جو حملہ آور ہو گا۔ اگلے دن تمام اکابرِ صحابہؓ علم نبوی کی امید میں بڑے سروسامان سے ہتھیار سج کر آئے۔ ان میں حضرت عمر بھی تھے اور ان کا خود بیان ہے کہ میں نے کبھی اس موقعہ کے سوا علم برداری اور افسری کی آرزو نہیں کی لیکن قضا و قدر نے یہ فخر حضرت علیؑ کے لئے اُٹھا رکھا تھا۔

(الفاروق، علامہ شبلی نعمانی جلد اوّل ص۵۵، نامی پریس کانپور ۱۸۹۹ء)

جب جان کی بازی لگائی جاتی ہے تو فتح نصیب ہوتی ہے، یہاں تو بات ہی دوسری تھی۔ جناب رسولؐ خدا نے اعلان کیا کہ کل میں ایسے شخص کو علم دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے اور جو اللہ اور اس کے رسول کا محبوب ہے اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ پہلے جن حضرات کو علم دیا گیا تھا وہ اللہ اور اس کے

رسول کو دوست نہیں رکھتے تھے تو ایسی جنگ میں جو اللہ و رسول کے لئے لڑی جا رہی تھی
جان کی بازی کیسے لگائی جاتی۔ ایسا لگتا ہے کہ ان حضرات کو علم دیا ہی اس لئے گیا تھا
کہ جو کچھ ہے ظاہر ہو جائیں کیونکہ ماضی کی ہر جنگ میں اس طرح شریک ہوئے تھے
کہ قرآن کی زبان میں "جو لڑائی میں حصہ لیتے ہیں تو بس نام گنانے کو"! اس جنگ میں سردار
لشکر ہونے کے باوجود برائے نام جنگ کی اور واپس آ گئے اور رسول اللہ کو یہ کہنا
پڑا (جیسا کہ شبلی نے نقل کیا ہے) کہ کل میں ایسے شخص کو علم دوں گا جو حملہ آور ہو گا
اس کا یہ مطلب بھی ہوا کہ یہ حضرات صحیح معنیٰ میں حملہ آور ہوئے ہی نہیں تھے۔

فتح مکہ | رمضان ۸ھ میں مکہ فتح ہوا۔ رسول اللہ نے اپنے لشکر کے مختلف
حصے کر کے ان پر سردار مقرر کئے اور انہیں مختلف اطراف سے مکہ میں داخل ہونے کا
حکم دیا۔ زبیر مکے کے بالائی حصہ سے اور خالد بن ولید زیریں مکہ سے شہر میں داخل
ہوئے۔ راستہ میں کفار سے ایک جھڑپ بھی ہوئی جس میں چند آدمی مارے گئے مسلمانوں
کا ایک دستہ ابوعبیدہ بن الجراح رسول اللہ سے آگے لے کر بڑھے۔ سعد بن عبادہ کے
بارے میں ہے کہ آپ فوج کا ایک حصہ لے کر مکہ میں داخل ہونے لگے اور کہا کہ آج
بے دریغ قتل کا دن ہے۔ آج کعبہ کی حرمت کا لحاظ نہ کیا جائے۔ یہ بات کسی مہاجر نے
سُن لی اور رسول اللہ کو جا کر بتا دی اور عرض کیا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ سعد قریش پر
زیادتی کریں گے۔ چنانچہ رسول اللہ نے حضرت علی بن ابی طالب سے کہا کہ تم فوراً جاؤ اور
سعد سے جھنڈا لے لو اور مکہ میں داخل ہو جاؤ۔

مکہ میں بخیر و خوبی داخلے کے بعد رسول اللہ نے کعبہ کو بتوں سے پاک کیا بعض
روایات کے مطابق اس کام میں علی ابن ابی طالب آپ کے ساتھ تھے "عزا" کو توڑنے کیلئے
آنحضرت نے خالد بن ولید کو اور "سواع" کے انہدام کے لئے عمرو بن العاص کو بھیجا
آنحضرت نے اپنے پندرہ روزہ قیام کے دوران اطرافِ مکہ میں اشاعت اسلام کے لئے
مبلغ بھیجے۔ فتح مکہ سے لے کر قیام کے آخری دن تک یہ معلوم نہیں ہوتا کہ جناب ابوبکر نے

کیا خدمات انجام دیں۔

غزوہ حنین | حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ابھی مکہ میں قیام پذیر تھے کہ انہیں اطلاع ملی کہ بنو ہوازن اور بنو ثقیف ان سے لڑنے کے لئے وادیٔ حنین میں جمع ہو گئے ہیں، چنانچہ آپ بھی بارہ ہزار کا لشکر لے کر مقابلے کے لئے نکلے۔ آج مسلمان اپنی کثرت پر نازاں تھے مگر دشمن گھات میں تھا جیسے ہی لشکرِ اسلام وادی میں پہنچا۔ دشمن ٹوٹ پڑا مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے وہ سر پہ پیر رکھ کر بھاگے۔ کوئی کسی کی طرف مُڑ کر نہ دیکھتا تھا رسول اللہ اپنے چند جاں نثاروں کے ساتھ ایک طرف ہٹ کر کھڑے ہو گئے اور پکارنے لگے کہ اے بیعتِ رضوان والو کہاں جاتے ہو۔ میں رسول اللہ بن عبداللہ یہاں موجود ہوں، مگر بھاگنے والوں پر اثر نہ ہوا۔ آنحضرت کے چچا حضرت عباس جو آپ کے پاس کھڑے تھے ان کا قد لمبا اور آواز اونچی تھی۔ رسول اللہ نے اِن سے کہا کہ انہیں آواز دو۔ چنانچہ حضرتِ عباس نے آواز دینا شروع کی تو لوگ واپس آنے لگے۔ کوئی سو کے قریب آدمی اکٹھا ہو گئے تو انہوں نے ڈٹ کر دشمن کا مقابلہ کرنا شروع کیا یہاں تک کہ اور ہزاروں مسلمان واپس آ گئے اور بڑی شدّت سے لڑے۔ ابھی پورے مسلمان واپس بھی نہ ہوئے تھے کہ مسلمان فتح سے ہمکنار ہو گئے۔ قرآن شریف میں مسلمانوں کے غرور اور فرار کا حال اس طرح ہے۔

"بیشک اللہ بہت سے میدانوں میں تمہاری نصرت کر چکا ہے اور حنین کے دن بھی جب کہ تمہاری کثرت نے تعجب میں ڈال دیا تھا۔ پس تمہارے کام کچھ بھی نہ آیا اور تم پر زمین باوجود فراخی کے تنگ ہو گئی۔ پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگے"۔

قرآن کے بعد مسلمانوں کی سب سے مستند کتاب بخاری شریف میں ہے کہ ابو قتادہؓ بیان کرتے ہیں انھزم المسلمون وانھزمت ومعھم فاذا العمر بن الخطاب فی الناس فقلت لہ ما شان الناس قال امر اللہ۔ مسلمان بھاگے۔ میں بھی ان کے ساتھ بھاگا۔ پس جب مجھے ان لوگوں میں عمر بن خطاب ملے تو میں نے ان سے کہا

کہ ان لوگوں کا کیا حال ہے (کہ بھاگ رہے ہیں) انہوں نے فرمایا۔ اللہ کی مرضی۔
(بخاری۔ کتاب المغازی غزوہ حنین)

اب ہم حضرت ابوبکر کو تلاش کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ آپ نے اس جنگ میں کون سا گوشۂ عافیت ڈھونڈا تھا۔ فرار ہونے والوں میں تو آپ کا نام کہیں نہیں ہے، مگر آپ رسول اللہ کے پہلو میں بھی نظر نہیں آتے۔ بخاری شریف میں حضرت براء سے مروی ہے کہ جب مسلمان رسول اللہ کو چھوڑ کر فرار ہو گئے تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلعم اپنے سفید خچر پر سوار ہیں اور اس کی لگام ابوسفیان پکڑے ہوئے ہیں اور آپ کہہ رہے ہیں کہ میں سچا نبیؐ ہوں۔ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں (بخاری شریف کتاب المغازی غزوہ حنین)۔ صحیح مسلم شریف میں رسول اللہ کے چچا حضرت عباس کا قول موجود ہے کہ میں نے اور ابوسفیان بن حارث نے رسوؐل اللہ سے علیحدگی اختیار نہیں کی (صحیح مسلم غزوہ حنین) ہمیں اس موقع پر غزوہ بدر یاد آرہا ہے کہ یہ کفار مکہ سے پہلا معرکہ تھا اور جناب ابوبکر نے میدان میں لڑنے کی بجائے رسوؐل اللہ کے پہلو میں رہنا پسند کیا تھا لوگ کہتے ہیں کہ یہ عشقِ رسوؐل کی انتہا تھی۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے غار میں بھی ساتھ رہے اور بڑا خطرناک وقت گذارا تھا مگر اب حنین میں ابوبکر نے بدر والے عشق کا مظاہرہ نہیں کیا ورنہ ابوسفیان بن حارث کی طرح رسول اللہ کے خچر کی باگ پکڑے ہوتے یا عباس بن عبدالمطلب کی طرح بھاگنے والوں کو آواز دے کر بلا رہے ہوتے۔

جنگ حنین سے نہ بھاگنے والوں کی فہرست بہت سے راویوں نے دی ہے ان میں سے صرف ابن اسحٰق کی روایت میں جناب ابوبکر و عمر کا نام ہے جسے ہم طبری سے نقل کرتے ہیں۔ "آپ کے پاس مہاجرین و انصار میں سے کچھ لوگ اور آپ کے اہلِ بیت ٹھہرے رہے۔ مہاجرین میں سے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اور اہلِ بیت میں سے علی بن ابی طالب عباس بن عبدالمطلب۔ ان کے صاحبزادے فضل بن عباس، ابوسفیان بن حارث۔ ایمن بن عبید یہی ایمن بن اُم ایمن ہیں اور اُسامہ بن زید بن حارثہ آپ کے پاس رہے" (طبری جلد اول)

اگر اس واحد روایت کی بنیاد پر یہ یقین کر لیا جائے کہ جناب ابوبکر اپنی سابقہ روایات کے برعکس ثابت قدم رہے تو پھر بھی یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آپ نے کوئی ایسا کام انجام دیا کہ جس سے جانثاری رسولؐ کی بُو آتی۔ جب کہ طبری ہی میں علی بن ابی طالبؑ سفیان بن الحارث اور حضرت عباس بن عبدالمطلب کی جانثاری کا حال بیان کیا گیا ہے

اب ہم علی بن ابی طالب کی شجاعت کا ایک واقعہ طبری سے نقل کرتے ہیں" جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ ہوازن کا رئیس مسلمانوں پر چڑھا آتا تھا کہ علی بن ابی طالب اور ایک انصاری اِس کی طرف بڑھے۔ علی نے پیچھے سے پہنچ کر اس کے اونٹ کے گھٹنوں پر تلوار ماری جس سے وہ اپنی سرینوں پر بیٹھ گیا۔ اتنے میں انصاری نے خود اس رئیس پر حملہ کیا اور ایک وار میں نصف ساق سے اس کا پاؤں کاٹ ڈالا جس سے وہ اپنے کجاوے سے گر پڑا۔ پھر مسلمانوں نے دشمن سے نہایت دلاوری سے شمشیر زنی کی۔

(طبری۔ جلد اوّل)

اس سردار کے مارے جانے سے مسلمانوں کے حوصلے اتنے بلند ہو گئے کہ شکست فتح میں بدل گئی۔

تبوک غزوہ حنین سے غزوہ تبوک تک کے درمیانی عرصہ میں ابوبکر کی کوئی قابلِ ذکر خدمات نہیں ہیں البتہ واعظین کرام کو جوشِ بیان میں یہ اکثر کہتے ہوئے سُنا گیا ہے کہ غزوۂ تبوک کے سلسلہ میں حضرت ابوبکر اپنے گھر کا سارا مال واسباب اُٹھا لائے تھے اور وہاں صرف اللہ اور رسول کو چھوڑ آئے تھے۔ ہم نے یہ روایت تلاش کرنا شروع کی تو یہ ہمیں ترمذی شریف میں ملی بخاری شریف میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ اس کے اصل راوی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

"اسلم عمر فاروق سے روایت کرتے ہیں کہ رسولؐ اللہ نے ہم لوگوں کو حکم دیا کہ ہم مال صدقہ کریں اس وقت میرے پاس مال تھا میں نے ارادہ کیا کہ اگر آج ممکن ہوا تو میں حضرت صدیق سے سبقت لے جاؤں گا لہٰذا میں نصف مال لے کر آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر

ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ اپنے اہل و عیال کے لئے کیا چھوڑا۔ میں نے عرض کیا اتنا ہی' اور جناب صدیق کل مال لے کر حاضر ہوئے۔ آپ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اہل عیال کے لئے کیا چھوڑا تو انہوں نے عرض کیا کہ ان کے لئے اللہ و رسول کو چھوڑ آیا ہوں۔ اِس روز سے میں نے سمجھ لیا کہ میں جناب صدیق سے کبھی سبقت نہیں لے جا سکتا"

مسلمانوں کے نزدیک کسی روایت کا صحیح بخاری میں نہ ہونا اس کے درجہ کو گھٹا دیتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہو کہ ڈاکٹر طٰہٰ حسین' محمد حسین ہیکل اور مولانا شبلی نعمانی وغیرہ نے اپنی کتابوں میں اِس روایت کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ مولانا شبلی نعمانی کی سیرت النبیؐ جلد اوّل میں لکھا ہے کہ "صحابہ میں حضرت عثمان نے دو سو اوقیہ چاندی اور دو سو اونٹ پیش کئے اکثر صحابہ نے بڑی بڑی رقمیں لا کر دیں"۔ مگر کہیں جناب ابوبکرؓ یا عمرؓ کا نام نہیں ہے۔

قرینہ سے بھی یہی معلوم ہوتا کہ یہ روایت غلط ہے۔ رسول اللہ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنا کل اساسہ وہی شخص لے کر آسکتا ہے جو عشقِ رسولؐ میں اتنا غرق ہو کہ اسے کچھ سوجھتا ہی نہ ہو —— مگر ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر کی حالت کچھ مختلف تھی۔ آپ رسول اللہ سے بڑی سوجھ بوجھ کے ساتھ عشق کرتے تھے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ بے خطر آتشِ نمرود میں کود گئے ہوں، بلکہ ہمیشہ ایسا ہوا کہ اپنی متاعِ زندگی کو رسول اللہ سے زیادہ عزیز رکھا تو پھر یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ غزوہ تبوک کے لئے اپنا سارا مال و اسباب اُٹھا لائے ہوں یہاں تک کہ گھر والوں کے لئے کچھ بھی نہ چھوڑا سوائے اللہ اور اس کے رسولؐ کے۔

سریہ ذات السلاسل غزوہ تبوک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا آخری غزوہ ہے۔ اِس غزوہ کے لئے جناب ابوبکر کی خدمات پر روشنی ڈالی جا چکی ہے غزوات کے علاوہ بڑی تعداد میں چھوٹی چھوٹی مہمیں بھیجی گئیں جنھیں سریہ کہا گیا۔ ان سریہ میں صرف ایک سریہ" سریہ ذات السلال" ہے کہ جس میں جناب ابوبکر کی شرکت ثابت ہے

سریہ ذات السلال جمادی الآخر ۸ھ میں واقع ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو عاص کو تین سو سپاہیوں کے ساتھ بنی قضاعہ کی طرف روانہ کیا مگر عمرو

عاص کو شکست ہوئی اور آپ نے مدینہ سے کمک طلب کی۔ رسول اللہؐ نے ابو عبیدہ بن الجراح کو دو سو مسلمانوں کے ساتھ کہ جن میں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ بھی شامل تھے روانہ کر دیا ابو عبیدہ نے سلاسل پہنچ کر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ عمرو عاص کی امارت میں جنگ کی اس کا مطلب یہ ہوا کہ پہلے تو جناب ابوبکر ابو عبیدہ کے ماتحت ہوئے اور پھر عمرو بن عاص کے ماتحت

۸ھ میں ایک اور سریہ "سریہ وادی الرمل" واقع ہوا۔ اس سریہ میں باری باری ابوبکر و عمر اور عمرو العاص کے فوج لے کر جانے اور شکست کھا کر واپس آنے اور بالآخر ان تینوں حضرات کا جناب علی مرتضیٰ کی امارت میں وادی رمل جانے کا تذکرہ موجود ہے کہ جس میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ سریہ ذات السلال اور سریہ وادی الرمل دونوں ایک ہی ہیں۔

تبلیغ سورہ برأت

بخاری شریف کے مطابق :-

اَنّ اباھریرۃ قال بعثنی ابوبکر فی تلک الحجۃ فی موذنین بعثھم یوم النحر لیوذنون بمنیٰ ان لا یحج بعد العام مشرک ولا یطوف بالبیت عریان قال حمید بن الرحمٰن ثم اردف رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بعلی بن ابی طالب امرہ ان یوذن ببراءۃ قال ابوھریرۃ فاذن معنا علی یوم النحر فی اھل منیٰ ببراءۃ وان لا یحج بعد العام مشرک ولا یطوف بالبیت عریان

ترجمہ :- ابوہریرہ کہتے ہیں (۹ھ کے) حج میں ابوبکر نے مجھے بھیجا کہ میں یوم النحر میں اعلان کردوں کہ اس حج کے بعد اب کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی کعبہ کا ننگا ہوکر طواف کرے۔ حمید کہتے ہیں کہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے علی بن ابی طالب کو بھیجا اور حکم دیا کہ وہ سورہ برأت کا اعلان کریں۔ ابوہریرہ کہتے ہیں۔ چنانچہ وہ بھی ہمارے ساتھ منیٰ میں موجود تھے اور اعلان کر رہے تھے کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرسکتا ہے اور نہ برہنہ ہوکر کعبہ کا طواف کرسکتا ہے (صحیح بخاری جلد ۲، تفسیر سورہ برأت)

محدث نسائی کی روایت :

ان رسول اللّٰہ بعث براءۃ الیٰ اھل مکۃ مع ابی بکر ثم اتبعہ بعلی فقال لہ خذ ھذا الکتاب فامض بہ الیٰ اھل مکۃ قال فلحقہ واخذ الکتاب منہ فانصرف ابوبکر وھو کئیب فقال لرسول اللّٰہ انزل فی شئی قال لا الا انی امرت ان ابلغہ انا او رجل من اھل بیتی۔

یعنی رسول اللّٰہ نے ابوبکر کو سورہ برأت کے ساتھ مکہ والوں کے پاس بھیجا پھر ان کے پیچھے پیچھے علیؑ کو روانہ کیا اور آپ سے کہا کہ اس تحریر کو لے کر اہلِ مکّہ کے پاس جاؤ۔

علیؓ نے ابوبکرؓ کو جا لیا۔ اِن سے تحریر لے لی۔ جس پر ابوبکر مغموم و دل شکستہ واپس آئے اور رسول اللہ سے کہا کہ کیا کچھ نازل ہوا ہے؟ رسول اللہ نے فرمایا نہیں۔ سوائے اس کے کہ یہ حکم ملا ہے کہ اس کو یا میں پہنچاؤں یا وہ شخص جو میرے اہلبیت میں سے ہو۔
(خصائص نسائی صفہ ۲ مطبوعہ مصر)

شاہ ولی اللہ کی تحریر:

۹ھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق کو امیر الحج مقرر کیا۔ بعض لوگوں کو اس واقعہ میں سخت غلطی ہوئی ہے۔ انہوں نے خیال کیا کہ حضرت ابوبکر صدیق کے بعد حضرت علی مرتضےٰ کو آنحضرت کا روانہ کرنا حضرت صدیق کا معزول کرنا تھا اور یہ غلط ہے تحقیق یہی ہے کہ امیر الحج حضرت صدیق کو اور حضرت علی مرتضےٰ کو آنحضرت نے تتمہ کے طور پر روانہ فرمایا۔ باینطریق کہ تبلیغ سورہ برأت آپ کو تفویض کی تھی۔ محمد بن علی سے روایت ہے کہ جب سورہ برأۃ نازل ہوئی تو آنحضرتؐ حضرت صدیق کو امیر الحج بنا کر روانہ کر چکے تھے۔ عرض کیا گیا کہ سورۂ برأت بھی حضرت صدیق کے پاس بھیج دیں۔ آپ نے فرمایا اس کی تبلیغ میرے اہلِ بیت میں سے کوئی شخص کرے گا۔ اس کے بعد آپ نے حضرت علی مرتضےٰ کو طلب کیا اور پھر فرمایا کہ سورہ برأت کا صدر لے کر جاؤ اور قربانی کے بعد جب لوگ منیٰ میں جمع ہوں گے اعلان کر دینا کہ "کوئی کافر جنت میں نہیں داخل ہو گا اور یہ کہ آج کے بعد کوئی مشرک حج کو نہ آئے اور نہ کوئی برہنہ شخص خانہ کعبہ کا طواف کرے جس کا رسول اللہ سے معاہدہ ہو وہ اس کی مدت تک ہے۔ حضرت علی مرتضےٰ آنحضرت کی اونٹنی پر سوار ہو کر آپ کا یہ فرمان لے کر روانہ ہوئے۔ حضرت صدیق نے جب آپ کو اِس شان سے آتے ہوئے دیکھا تو دریافت کیا کہ آپ امیر ہو کر آئے ہیں یا مامور ہو کر حضرت علی مرتضےٰ نے فرمایا۔ مامور ہو کر آیا ہوں (یہاں سے صاف ظاہر ہے کہ امیر الحج حضرت صدیق ہی تھے۔ غرض دونوں گئے۔ حضرت صدیق نے لوگوں کو حج کرایا۔ عرب اس دفعہ بھی اپنے انہیں مقامات پر قیام کئے ہوئے تھے جہاں وہ زمانہ جاہلیت میں کیا

کرتے تھے۔ پھر قربانی کے دن حضرت علی کھڑے ہوئے اور آپ نے آنحضرت کے فرمان کی تبلیغ کی اور پھر آنحضرت کی خدمت میں واپس آئے۔

(ازالۃ الخفاء، اردو، مقصد دوم، ص۳۴، ناشر سعید اینڈ سنز۔ کراچی)

محمد حسین ہیکل کی تحریر:

"وفود کے جوق در جوق مدینہ آنے کی وجہ سے آپ کو مکہ جانے اور بیت اللہ کا حج کرنے کی فرصت نہ مل سکی۔ اس لئے فتح مکہ کے اگلے سال آپ نے اپنی جگہ ابوبکرؓ کو امیر الحج مقرر فرما کر روانہ کیا۔ وہ دو تین سو مسلمانوں کو لے کر مکہ پہنچے اور وہاں حج کے فرائض ادا کئے۔ اِسی حج کے موقع پر علی ابن ابی طالب نے بعض روایات کے مطابق خود ابوبکر نے اعلان کیا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کر سکے گا۔ انہوں نے مشرکین کے لئے چار مہینے کی مہلت کا اعلان کیا۔ اس عرصہ میں وہ مکہ چھوڑ کر دوسرے علاقوں میں چلے جائیں۔ (اردو ترجمہ ابوبکر صدیق اکبر از محمد حسین ہیکل ص۲۶، میری لائبریری، لاہور)

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی تفہیم القرآن میں لکھتے ہیں:

"یہ خطبہ رکوع ۵ کے آخر تک ۹ھ میں اس وقت نازل ہوا تھا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر کو حج کے لئے روانہ کر چکے تھے۔ ان کے پیچھے جب یہ نازل ہوا تو صحابہ کرام نے حضور سے عرض کیا کہ اسے ابوبکر کو بھیج دیجئے تاکہ وہ حج میں اسے سُنا دیں لیکن آپ نے فرمایا کہ اس اہم معاملہ کا اعلان میری طرف سے میرے ہی گھر کے کسی آدمی کو کرنا چاہیئے، چنانچہ آپ نے حضرت علی کو اس خدمت پر مامور کیا اور ساتھ ہی ہدایت فرمادی کہ حاجیوں کے مجمعِ عام میں اِسے سنانے کے بعد حسب ذیل چار باتوں کا بھی اعلان کردیں (۱) جنت میں کوئی ایسا شخص داخل نہ ہوگا جو دینِ اسلام کو قبول کرنے سے انکار کرے (۲) اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کے لئے نہ آئے (۳) بیت اللہ کے گرد برہنہ طواف کرنا ممنوع ہے (۴) جن لوگوں کے ساتھ رسول اللہ کا معاہدہ باقی ہے یعنی جو نقضِ عہد کے مرتکب نہیں ہوئے ہیں انکے ساتھ مدتِ معاہدہ تک وفا کی جائے گی۔ (تفہیم القرآن)

اب ہم سورہ برأت کی چند آیتوں کا ترجمہ پیش کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ اِن آیتوں میں مشرکوں سے کس لہجہ میں بات کی گئی تھی۔

"اعلانِ برأت ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اِن مشرکوں کو جن سے تم نے معاہدے کئے تھے پس تم لوگ ملک میں چار مہینے اور چل پھر لو اور جان رکھو کہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو اور یہ کہ اللہ منکرینِ حق کو رسوا کرنے والا ہے۔ اطلاع عام ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے حج اکبر کے دن تمام لوگوں کے لئے کہ اللہ مشرکین سے بری الذمہ ہے اور اس کا رسول بھی۔ اب اگر تم توبہ کرلو تو تمہارے ہی لئے بہتر ہے"

"اور اے نبی انکار کرنے والوں کو سخت عذاب کی خوشخبری سنا دو"۔

"پس جب حرام مہینے گذر جائیں تو مشرکین کو قتل کرو جہاں پاؤ اور انہیں پکڑو اور گھیرو اور ہر گھات میں ان کی خبر لینے کے لئے بیٹھو"۔

"ان سے لڑو اللہ تمہارے ہاتھوں سے اِن کو سزا دلوائے گا اور انہیں ذلیل و خوار کرے گا"

"مشرکین کا یہ کام نہیں کہ وہ اللہ کی مسجدوں کے مجاور و خادم بنیں درانحالیکہ اپنے اوپر خود کفر کی شہادت دے رہے ہیں ان کے تو سارے اعمال ضائع ہو گئے اور جہنم میں انہیں ہمیشہ رہنا ہے"۔

"اے ایمان لانے والو مشرکین ناپاک ہیں لہٰذا اس سال کے بعد یہ مسجدِ حرام کے قریب نہ پھٹکنے پائیں۔

ابوبکر کی قوتِ گفتار اِن آیات کی گھن گرج کا ساتھ نہیں دے سکتی تھی ـــــ اِن آیات کا ہزاروں مشرکوں کے سامنے پڑھنا بڑی بات تھی ـــــ قدم قدم پر زبان لکنت کرتی۔ ابوبکر خود بھی تو آدھی زندگی انہی مشرکوں میں گذار چکے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ مشرکین میں سے کوئی کہہ دیتا کہ اے ابوبکر کل تک تو تم خود بھی ہمارے ساتھ برہنہ طواف کیا کرتے تھے۔ آج تم ہمیں اتنا ذلیل کیوں کر رہے ہو۔

علی بن ابی طالب کی بات الگ تھی مشرکین پر ان کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ ہر جنگ میں ان کی تلوار کے جوہر دیکھ چکے تھے۔

یہ رسول کی آغوش کے پالے ہوئے تھے۔ ان پر کسی مشرک کا سایہ تک نہیں پڑا تھا تو پھر کسی مشرک میں یہ جرات کہاں سے آتی کہ وہ کچھ کہتا۔ سوائے اِس کے کہ سورہ برأت کی دہشت زدہ کر دینے والی آیات سن کر اپنے انجام کی فکر کرتا۔

سورۂ برأت کی تبلیغ کا فرض علی بن ابی طالب کو جس طرح سونپا گیا وہ بھی بہت اہم ہے۔ تمام روایتوں کا جائزہ لینے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ رسول اللہ ابوبکر کے مقابلے پر علی کی حقیقی پہچان کروانا چاہتے تھے کہ دیکھو میری نیابت کا فرض اس کے علاوہ کوئی بھی ادا نہیں کر سکتا چاہے وہ مجھ سے کتنی ہی قربت کا دعویدار ہو۔

شاہ ولی اللہ دہلوی اور محمد حسین ہیکل اس صورتِ حال سے پریشان ہوئے تو انہوں نے جناب ابوبکر کی امارتِ حج کو اہمیت دینے کی کوشش کی۔ حالانکہ بعض حضرات نے تو اس کا تذکرہ تک نہیں کیا۔

امارتِ حج کوئی ایسا منصب نہیں کہ جس کے لئے رسول اللہ یا ان کے اہل بیت کی شرط ہو لہٰذا اس بات کی کوئی اہمیت نہیں ہے کہ جناب ابوبکر امارتِ حج پر فائز رہے یا اس سے بھی معزول کر دیئے گئے۔ شاہ صاحب نے ابوبکر کی "امارتِ حج" پر گفتگو محض اِن کی سُبکی کو کم کرنے کے لئے کی ہے ورنہ اس کی ضرورت ہی نہ تھی۔ ــــــ محمد حسین ہیکل نے یہ کام اس طرح کیا کہ سورۂ برأت کی تبلیغ کا سرے سے کوئی تذکرہ ہی نہیں کیا ــــ بڑی سادگی سے صرف دو جملے لکھ دیئے کہ علی ابن ابی طالب نے یا ابوبکر نے یہ اعلان کر دیا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کر سکے گا اور انہیں مکہ چھوڑنے کے لئے چار مہینہ کی مہلت دے دی ــــــ بہرحال انھیں محبتِ ابوبکر کا کچھ تو حق ادا کرنا تھا۔

جانشینئ رسولؐ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کے بعد پہلی مرتبہ دعوتِ ذوالعشیرہ کے موقع پر حضرت علیؑ بن ابی طالب کو اپنا وصی وجانشین بنانے کا اعلان کیا تھا حالانکہ آپ ابھی بچے تھے ـــــــ اس وقت وہاں موجود خاندان کے لوگوں نے کہ جنہیں رسول اللہؐ نے اسلام کی دعوت قبول کرنے کے لئے جمع کیا تھا دعوتِ اسلام کے ساتھ اس اعلان کو بھی ہنسی مذاق میں اُڑا دیا مگر رسول اللہؐ بڑی مستقل مزاجی سے اسلام کا پیغام پہنچاتے رہے اور ساتھ ہی ساتھ اپنے وصی کا بھی تعارف کراتے رہے۔ آپ کی ہمیشہ یہی کوشش رہی کہ لوگ اسلام سے وابستگی کے ساتھ ساتھ علیؑ کو بھی پہچاننے لگیں مگر چند افراد کے سوا علیؑ کی صحیح معرفت کسی کو حاصل نہ ہوسکی اور کچھ لوگ تو آپ کے کھلے دشمن تھے۔ حضرت ابوبکر وحضرت عمر آپ کے سیاسی حریف تھے۔ بااثر مہاجرین کا ایک گروہ ابوبکر اور عمر کے زیر اثر تھا۔ یہ وہ حالات تھے کہ رسول اللہؐ کبھی کھُل کر جانشینی کا اعلان نہیں کرسکے۔ یہاں تک کہ وقتِ آخر قریب آگیا۔

آنحضرتؐ اپنی زندگی کے آخری حج (۱۰ھ) سے ایک لاکھ حاجیوں کے ہمراہ واپس آرہے تھے۔ جب آپ اس مقام پر پہنچے کہ جہاں سے لوگ مختلف راہیں اختیار کرکے جدا ہوئے تو نزولِ وحی کی کیفیت طاری ہوئی اور یہ آیت نازل ہوئی۔

یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک و ان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس۔ یعنی اے پیغمبر پہنچا دو اس شئے کو جو نازل کی گئی تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے خدا کی رسالت کو پہنچایا ہی نہیں اور خدا لوگوں سے تمہاری حفاظت کرے گا۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ نے قافلہ کو روکنے کا حکم دیا جو لوگ آگے نکل گئے تھے انہیں واپس بلوایا اور جو پیچھے رہ گئے تھے اُن کا انتظار کیا اور جب سب لوگ اکٹھا ہو گئے تو پالانِ شتر کو ممبر کی شکل دے کر اس کے اُوپر تشریف لے گئے اور ایک مختصر سا خطبہ دیا جو حدیثِ ثقلین اور حدیثِ غدیر کے نام سے مشہور ہے۔ ہم اِسے شبلی نعمانی کی "سیرت النبی" سے نقل کرتے ہیں۔

"حمد و ثنا کے بعد اے لوگو! میں بھی بشر ہوں ممکن ہے کہ خدا کا فرشتہ جلد آجائے اور مجھے قبول کرنا پڑے (یعنی موت) میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں ایک خدا کی کتاب جس کے اندر ہدایت اور روشنی ہے، خدا کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو، اور دوسری چیز میرے اہلِ بیت ہیں۔ میں اپنے اہلِ بیت کے بارے میں تمہیں خدا کو یاد دلاتا ہوں"

اس خطبہ کے بعد شبلی نعمانی فرماتے ہیں۔

آخری جملے کو آپ نے تین مرتبہ فرمایا۔ یہ صحیح مسلم (مناقب حضرت علی) کی روایت ہے۔ نسائی، مسند امام احمد بن حنبل، ترمذی، طبرانی، طبری، حاکم وغیرہ میں کچھ اور فقرے بھی ہیں جن میں حضرت علی کی منقبت ظاہر کی گئی ہے۔ اِن روایتوں میں ایک فقرہ اکثر مشترک ہے۔

من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ

"جس کو میں محبوب ہوں علی بھی اس کو محبوب ہونا چاہیئے۔ الہیٰ جو علی سے محبت رکھے اس سے تُو بھی محبت رکھ اور جو علی سے عداوت رکھے اِس سے تو بھی عداوت رکھ۔"

یہ پیغام پہنچا دینے کے بعد یقیناً رسول اللہ کو ایسا محسوس ہوا ہو گا کہ تمام عمر کا بوجھ اتر گیا اور ایسی طمانیت حاصل ہوئی ہو گی کہ جو پہلے کبھی حاصل نہ ہوئی تھی۔ کیونکہ یہ وہ کارِ رسالت تھا کہ اگر آپ انجام نہ دیتے تو (یا ایہا الرسول بلغ .... کے مطابق) تمام عمر کی تبلیغ پر پانی پھر جاتا۔

دراصل یہ ولایت و خلافت علی کا اعلان تھا اور نبوت کے خاتمہ سے پہلے لازم تھا

جب یہ اعلان ہو گیا تو اللہ کی طرف سے تکمیلِ دین اور اتمامِ نعمت کا اعلان کر دیا گیا۔ آیۂ مبارکہ
الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا
ترجمہ: آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو ایک پاکیزہ دین قرار دیا۔

یا ایہا الرسول بلغ والی آیت میں جس امر کی تبلیغ پر اتنا زور دیا جا رہا ہے کہ اگر اسے انجام نہ دیا تو گویا کارِ رسالت ہی انجام نہ دیا اور انجام دینے کی صورت میں جان کی حفاظت کا خصوصی وعدہ کیا جا رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ کام بنیادی حیثیت کا بھی تھا اور خطرناک بھی اور یہ خطرہ کفار و مشرکین کی طرف نہیں تھا کیونکہ آیت میں "الناس" کا لفظ ہے اور یہ لفظ اس بات کی غمازی کر رہا ہے کہ یہ لوگ رسول اللہ ہی کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے تھے۔

یہ کام سوائے اس کے اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا کہ نبوت ختم ہونے والی ہے تو ولایت کا اعلان کر دیا جائے۔ مگر جس کی ولایت کا اعلان ہونے والا تھا وہ بہت سوں کی نظروں میں کھٹکتا تھا۔ خاص طور سے حضرت ابوبکر و عمر تو اس کے کھلے سیاسی حریف تھے جس انداز سے ولایتِ علی کا اعلان کیا گیا وہ بھی بڑا معنی خیز ہے۔ اس میں حضرت علی کی ظاہری خلافت کا حکم بھی پوشیدہ تھا۔ چنانچہ مسلمانوں کا وہ گروہ کہ جو حضرت ابوبکر کی خلافت کو برحق سمجھتا ہے اس نے اپنی پریشانی دور کرنے کے لئے مولا کے معانی میں اشکال پیدا کر دیئے۔

مولا کے کئی معنی ہیں، جیسا کہ عام طور سے ہوتا ہے کہ ایک ایک لفظ کے کئی کئی معنی ہوتے ہیں مگر حقیقی معنی ایک ہی ہوتا ہے۔ مولا کے حقیقی معنی اولیٰ بہ تصرف کے ہیں اور یہ لفظ عام طور سے اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ یہاں بھی قرآئن کے اعتبار سے یہی مفہوم لینا چاہیئے تھا مگر مسلمانوں کے اس مخصوص گروہ نے اور دوسرے معانی "محبوب" "دوست" اور "ناصر" پسند کئے۔ علامہ شبلی نعمانی کو بھی یہی معنی پسند آئے۔ چنانچہ موصوف نے من کنت مولاہ فعلی مولاہ کا ترجمہ یہ کیا "جس کو میں محبوب ہوں علی بھی اس کو محبوب ہونا چاہیئے"

اگر بات صرف دوست اور محبوب کی ہوتی تو رسول اللہ یہ اعلان اتنے اہتمام سے نہ کرتے۔ کہا جاتا ہے کہ اگر رسول اللہ علی کو اپنا خلیفہ بنانا چاہتے تھے تو کھل کر اعلان کر دیتے اور پھر کسی کو دم مارنے کی ہمت نہ ہوتی۔ دراصل یہ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ کہنے والے کے نزدیک رسول اللہ کے پاس اُٹھنے بیٹھنے والا ہر شخص ان کا انتہائی مطیع و فرمانبردار تھا، ہر شخص میں سے قبائلی عصبیت دُور ہو چکی تھی کسی شخص میں ذاتی مفادات کے حصول کا کوئی رجحان نہ تھا، حالانکہ دنیا نے دیکھ لیا کہ ابھی رسول دنیا سے رخصت بھی نہیں ہوئے صرف بستر علالت پر تھے کہ خلافت میں دلچسپی رکھنے والے چوکنا ہو گئے اور ہر اس راہ کو مسدود کرنے لگے کہ جو خلافت علی کی طرف جاتی تھی۔ اِس کار سیاست میں حضرت ابوبکر ان کی بیٹی عائشہ اور ان کے دوست حضرت عمر بن خطاب خاص طور سے مصروف تھے۔

جنابِ رسول خدا کا وقتِ آخر اور صحابہ کرام

جیش اُسامہ | حجۃ الوداع سے واپسی کو ابھی پورے تین مہینہ بھی نہیں ہوئے تھے کہ جنابِ رسولِ خدا کی طبیعت ناساز ہو گئی۔ آپ کو اِس بات کا احساس ہو گیا تھا کہ حیات کے دن پورے ہونے والے ہیں۔ چنانچہ جس بات کا اعلان آپ بڑے اہتمام سے حجۃ الوداع کے موقع پر غدیر خم میں کر آتے تھے اب اِس کے لئے راہ ہموار کرنا تھی۔ اس لئے یہ ضروری تھا کہ جن کے دل میں خلافت کی خواہش انگڑائیاں لے رہی ہے انہیں اور ان کے حواریوں کو اپنی رحلت کے موقع پر مدینہ سے کافی دُور کر دیا جائے لہٰذا آپ نے ایک لشکر اُسامہ بن زید کی سرداری میں رومیوں سے لڑنے کے لئے روانہ فرمانے کا منصوبہ بنایا آپ نے تمام اکابر مہاجرین و انصار کو سوائے علی بن ابی طالب کے شریکِ لشکر ہونے کا حکم دیا۔ انہیں ابوبکر، عمر، عثمان بھی شامل تھے۔ لوگ اُسامہ کے امیر لشکر بنائے جانے پر باتیں بنانے لگے۔ اس کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ بیت الشرف سے باہر تشریف

لائے اور منبر پر جا کر ارشاد فرمایا۔ ایہاالناس یہ کیا باتیں ہیں جو تم لوگ اُسامہ کے امیرِ لشکر بنائے جانے پر کر رہے ہو۔ تم اس پر بھی وہی اعتراض کرنے لگے کہ جو اس سے پہلے اس کے باپ زید پر جنگِ موتہ کے موقع پر کیا تھا۔ خدا کی قسم وہ سرداری کا اہل ہے اس کا باپ بھی اہل تھا۔ میں دونوں کو بہت عزیز رکھتا ہوں۔ یہ تمہارے اچھے لوگوں میں ہیں۔ تم لوگ اس کے بارے میں میری وصیت کو نیکی اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کرو۔ اس حکم کے بعد جیش اُسامہ روانہ ہوا مگر مدینہ کے باہر تین میل کے فاصلہ پر بمقام جرف جا کر رُک گیا اور پھر ٹس سے مس نہ ہوا لوگ اس واضح اور تاکیدی حکم کے باوجود مدینہ ہی میں جمے رہے ان میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر بھی شامل تھے۔ یہ حضرات کہتے تھے کہ آنحضرتؐ کا مرض شدید ہے ہمارا دل نہیں چاہتا کہ انہیں چھوڑ کر جائیں۔ ادھر رسول اللہ غضبناک ہو کر بار بار کہہ رہے تھے کہ لعن اللہ من تخلف عنہا یعنی جو لشکرِ اُسامہ کے ساتھ جانے سے اختلاف کرے اُس پر خدا کی لعنت ہو مگر ان پر اس لعنت کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ ابھی تین مہینے پہلے رسول نے غدیر خم میں جو کچھ کہا تھا وہ ان کے ذہنوں پر نقش تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ اگر اس وقت وہ وہاں سے ٹلے تو علی بن ابی طالب کے لئے میدان صاف ہو جائے گا یقیناً انہیں یہ بھی معلوم ہو گا کہ اس شدید بیماری کے عالم میں لشکر کے جانے کے لئے اتنی شدّت کے ساتھ کیوں کہا جا رہا ہے۔ رومیوں کی طرف سے کسی فوری حملہ کا خطرہ نہیں۔ یہ تو محض جنگِ موتہ کی انتقامی کارروائی ہے جو کہ تھوڑا بعد میں بھی ہو سکتی ہے غرضیکہ وہ اس اسرار کو سمجھتے ہوئے مدینہ ہی میں ڈٹے رہے۔ رسول اللہ صلعم کے مرض نے شدّت اختیار کی اور اس کی اطلاع اُسامہ کو پہنچی تو آپ آنحضرتؐ کی مزاج پرسی کو آئے۔ انہوں نے فرمایا کہ تم فوراً واپس جاؤ اور لشکر کو لے جانے میں جلدی کرو، اُسامہ واپس آئے مگر لشکر کو جرف سے آگے نہ بڑھا سکے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ نے وفات پائی

واقعہ قرطاس | حضرت علی کے لئے خلافت کی راہ ہموار کرنے کی یہ دوسری عملی کوشش تھی کہ جسے حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کی مرضی کے مطابق ناکام بنا دیا۔ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے وقتِ آخر یہ دوسری حکم عدولی تھی کہ جس میں گستاخی کا عنصر بھی شامل تھا
رسول اللہ صلعم علالت کے دوران زندگی سے مایوس ہوئے تو آپ نے چاہا کہ امت
کے لئے ایک ایسا نوشتہ چھوڑ جائیں کہ جس کی موجودگی اسے گمراہی سے بچا سکے۔ چنانچہ آپ نے
حاضرین مجلس سے کاغذ اور قلم دوات طلب کیا مگر حضرت عمر نے مداخلت کی اور کہا کہ یہ
شخص مرض کی شدت کی وجہ سے بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے
مگر کچھ لوگ موافقت میں بھی تھے کہ حکمِ رسول کی تعمیل کی جائے اور یہ سامان فراہم کر دیا جائے
چنانچہ حمایت و مخالفت کا یہ شور اتنا بڑھا کہ رسول اللہ سخت کبیدہ خاطر ہوئے اور سب
لوگوں کو دور کر دیا۔

واقعہ قرطاس کو بخاری، مسلم، احمد بن حنبل اور مورخ طبری نے نقل کیا ہے مگر صحیح مسلم
کی روایتوں کے خاص الفاظ یہ ہیں فقالوا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یھجر
ھجر کے معنے ہذیان کے ہیں لیکن بعض حضرات نے اِس لفظ کا مفہوم بے حواسی لیا ہے۔

اب ہم اصل مطلب کی طرف آتے ہیں کہ وہ ابوبکر جو رسول اللہ صلعم کے چہرے کو
ذرا سا بھی متغیر دیکھتے تو بے چینی کا اظہار فرماتے۔ کئی بار ایسا ہوا کہ حضرت عمر کی کسی بات
پر آنحضرت کے چہرے پر غصہ کے آثار نمودار ہوئے اور ابوبکر نے عمر کو ڈانٹ پلائی۔ مگر آج
وہی ابوبکر خاموش ہیں اور اگر ابوبکرؓ ایسے نازک موقع پر (جب کہ تمام صحابہ وہاں موجود)
غیر حاضر تھے تو کیوں؟ ابوبکر جو کہ یار غار رسول تھے اور رسول اللہ کے سب سے بڑے مشیر
تھے اگر حاضر نہیں تھے تو رسول اللہ انہیں بلوا بھیجتے مگر آپ نے ایسا نہیں کیا۔

ڈپٹی نذیر احمد اپنی کتاب امہات الامہ میں لکھتے ہیں"۔ عائشہ شروع علالت سے پاس
سے نہ کھسکیں...... واقعہ قرطاس نے بھانڈا پھوڑا کہ اول دن سے رکاوٹوں کی کھچڑی
خلافت کے لئے پک رہی تھی۔ جن کے دِل میں تمنائے خلافت چٹکیاں لے رہی تھی۔ انہوں نے
تو دھینگا مشتی سے منصوبہ ہی کو چٹکیوں میں اُڑا دیا اور مزاحمت کی تاویل یہ کی کہ ہماری ہدایت
کے لئے قرآن کافی ہے اور چونکہ اس وقت پیغمبر صاحب کے حواس برجا نہیں۔ کاغذ قلم دوات

کا لانا کچھ ضروری نہیں خدا جانے کیا کا کیا لکھوا دیں گے" (امہات الامہ ص۱ مطبوعہ ادریس المطابع دہلی)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ جناب ابوبکر باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت وہاں سے غائب تھے۔ حاضر رہنے میں کوئی فائدہ نہ تھا۔ معاملہ دھینگا مشتی کا تھا تو حضرت عمر بڑے مناسب تھے ابوبکر حاضر ہوتے تو بڑی مشکل میں پھنس جاتے۔ ساری زندگی تو رسول اللہ کی جی حضوری کرتے گزری تھی۔ وقتِ آخر حکم رسول کیسے ٹال سکتے تھے اور اگر نہ ٹالتے تو اپنی پیروں پر کلہاڑی مارتے جناب ابوبکر کی بغیر حاضری کی کمی اِن کی صاحب زادی پوری کر رہی تھیں۔ پل پل کی خبریں یارانِ رسول تک پہنچ رہی تھیں۔

امامت نماز کہتے ہیں کہ جناب رسولِ خدا کی علالت نے طول پکڑا اور نقاہت بڑھ گئی تو آپ نے اپنی جگہ ابوبکر کو نماز پڑھانے کا حکم دیا مسلمان اِس بات کو ابوبکر کے حق خلافت کے لئے بطورِ استدلال پیش کرتے ہیں۔ گویا کہ یہ ایک اشارہ تھا جناب ابوبکر کی خلافت کا مگر یہ بھی ایک جھوٹ ہے اس میں سچ صرف اتنا ہے کہ ابوبکر نے رسول اللہ صلعم کی علالت کے دوران چند نمازیں پڑھائیں اور یہ سب کچھ رسول اللہ کی بے بسی کی وجہ سے ممکن ہوا۔ خانۂ رسول بنتِ ابوبکرؓ اور بنتِ عمرؓ کہ دونوں رسول کی بیویاں تھیں کی وجہ سے سازشوں کا گڑھ بنا ہوا تھا۔ ذرا حالات کو سامنے رکھئے کہ آرزومندانِ خلافت اور ان کے حواری مسلسل حکمِ رسول کو باتیں بنا بنا کر ٹال رہے ہیں۔ رسول حکم دیتے ہیں کہ یہ سب جیشِ اُسامہ میں شامل ہو کر جہاد کے لئے چلے جائیں اور نہ جانے والوں پر لعنت بھیجتے ہیں مگر یہ کہتے ہیں کہ ہمارا دل تو گوارا نہیں کرتا کہ ہم رسول اللہ کو اِس حالت میں چھوڑ کر چلے جائیں اور جب رسول حکم دیتے ہیں کہ کاغذ اور قلم دوات لے آؤ تاکہ میں ایسا نوشتہ لکھ دوں کہ تم کبھی گمراہ نہ ہو تو جناب ابوبکر کے دستِ راست عمر کہتے ہیں کہ اس شخص پر بیماری کا غلبہ ہے اور یہ بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے چنانچہ رسول اللہ کی موجودگی میں سامانِ کتابت فراہم کرنے پر اختلاف رائے کے سبب

اتنا شور ہوتا ہے کہ آپ سب کو اپنے سامنے سے دُور کر دیتے ہیں۔ اِن حالات کے تحت یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ جناب رسولِ خدا کی یہ خواہش ہوئی ہوگی کہ ابوبکر انکی نیابت کرتے ہوئے مسلمانوں کو نماز پڑھائیں مگر اس سلسلہ میں بعض روائتیں موجود ہیں کہ جن سے صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جناب ابوبکر نے نماز پڑھائی۔ دونوں طرح کی روائتیں خاصی تعداد میں ہیں اور خاصی مضطرب اور جہاں کسی مسئلہ پر بہت سی مضطرب روائتیں ہوں تو بات مشکوک ہو جاتی ہے اور جب حالات کا تقاضا بھی یہی ہو کہ بات سچی نہ لگے تو پھر ان مضطرب روایات کی کیا اہمیت رہ جاتی ہے۔ ہم بہت سی روایات میں اِن روایات کو پیش کرتے ہیں جنہیں شبلی نعمانی نے اپنی کتاب "سیرت النبیؐ" کے لئے اور محمد حسین ہیکل نے اپنی کتاب "ابوبکر صدیق اکبرؓ" کے لئے منتخب کیا۔

علامہ شبلی نعمانی تحریر فرماتے ہیں :

"سب سے آخری نماز جو آپ نے پڑھائی وہ مغرب کی نماز تھی۔ سر میں درد تھا۔ اس لئے سر میں رومال باندھ کر آپ تشریف لائے اور نماز ادا کی جس میں سورہ والمرسلات عرفا تلاوت فرمائی۔ عشار کا وقت آیا تو دریافت فرمایا کہ نماز ہو چکی؟ لوگوں نے عرض کی سب کو حضور کا انتظار ہے۔ لگن میں پانی بھروا کر غسل فرمایا۔ پھر اُٹھنا چاہا تو غش آ گیا۔ افاقہ کے بعد فرمایا کہ نماز ہو چکی؟ لوگوں نے وہی جواب دیا۔ تیسری دفعہ جسم مبارک پر پانی ڈالا پھر جب اُٹھنے کا ارادہ کیا تو پھر غشی طاری ہو گئی۔ جب افاقہ ہوا تو ارشاد فرمایا کہ ابوبکر نماز پڑھائیں۔ حضرت عائشہ نے معذرت کی کہ یا رسول اللہ ابوبکر نہایت رقیق القلب ہیں آپ کی جگہ ان سے کھڑا نہ ہوا جائے گا۔ آپ نے پھر یہی حکم دیا کہ ابوبکر نماز پڑھائیں، چنانچہ کئی دن تک ابوبکر نے نماز پڑھائی۔" (سیرت النبی جلد دوم صفحہ ۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز پڑھا چکے تھے تو پھر آپ نے مغرب و عشار کے درمیان ایسا کون سا فعل کیا جس کی وجہ سے غسل واجب ہوا۔ یقیناً ایسی بیماری میں کہ غش پہ غش آ رہے ہیں رسول اللہ صلعم سے کسی ایسے فعل کا ہونا کہ جس کی وجہ سے غسل واجب

ہوجائے امر محال ہے اور پھر غش پہ غش اور غسل پہ غسل کتنا مضحکہ خیز سلسلہ ہے اگر یہ سلسلہ معاذ اللہ بے حواسی کی وجہ سے تھا تو پھر اس بے حواسی کے عالم میں رسول اللہ کا یہ کہہ دینا کہ ابوبکر سے کہو نماز پڑھائیں کوئی معنے نہیں رکھتا اور پھر اس کا پورا پورا امکان ہے کہ رسول اللہ کی یہ حالت دیکھ کر خود بی بی عائشہ نے اپنی طرف سے کہہ دیا ہو کہ ابا جان موقعہ غنیمت ہے آپ ہی نماز پڑھا دیجئے اور بعد میں یہ روایت بیان کردی ہو کہ رسول اللہ نے حکم دیا تھا۔ موقعہ کے گواہ کا بھی امکان نہیں ہے کیونکہ چھوٹے سے حجرے میں غسل کے وقت سوائے بیوی کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

محمد حسین ہیکل حضرت عائشہ کی ایک روایت بیان کرتے ہیں:

جب رسول اللہ زیادہ بیمار ہوئے تو بلال نماز کے لئے عرض کرنے آئے آپ نے فرمایا کہ ابوبکر سے کہہ دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ میں نے کہا ابوبکر بہت رقیق القلب انسان ہیں جب وہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو ضبط نہ کر سکیں گے اور اس طرح لوگوں کی نماز میں خلل پڑے گا اگر آپ عمر کو نماز پڑھانے کا حکم دیں تو بہتر ہو۔ آپ نے یہ سُن کر پھر فرمایا ابوبکر سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں۔ میں نے حفصہ سے کہا۔ ابوبکر رقیق القلب ہیں وہ نماز میں رونا شروع کر دیں گے اور لوگوں کی نماز میں خلل پڑے گا۔ تم رسول اللہ سے کہو کہ وہ ابوبکر کی جگہ عمر کو نماز پڑھانے کا حکم دیں، چنانچہ حفصہ نے جا کر یہی بات آپ سے کہہ دی' اس پر آپ نے فرمایا یقیناً" تم وہی عورتیں ہو جنھوں نے یوسف کو بہلانے اور پھسلانے کی کوشش کی تھی۔ ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں اس پر حفصہ نے مجھ سے کہا، کہ تم نے مجھے ناحق شرمندہ کرایا۔ (ابوبکر صدیق اکبر ص۹۶)

یہ بخاری کی روایت ہے کہ جسے محمد حسین ہیکل نے پیش کیا۔ اس کے عربی متن میں ہے کہ " انتن صواحب یوسف" یعنی رسول اللہ نے جناب عائشہ کو صواحبِ یوسف کی مانند قرار دیا اور یہاں صواحب یوسف کے ترجمے " یوسف والیوں" کی بجائے یہ مفہوم لکھا گیا ہے " تم وہی عورتیں ہو جنھوں نے یوسف کو بہلانے پھسلانے کی کوشش کی تھی" اور یہ مفہوم

دُرست نہیں ہے۔ صواحب یوسف سے مراد زلیخا ہے اور یہ لفظ تریا چرتر کے معنے میں استعمال ہوتا ہے۔ یوسف کو بہلانے پھسلانے والی بہت سی عورتیں نہیں تھیں بلکہ یہ صرف زلیخا تھی اس کا مکر علامہ ابنِ حجر عسقلانی نے یہ بیان فرمایا ہے کہ زلیخا نے عورتوں کو جمع کر کے ان کی شاندار دعوت کی اور ان کے ساتھ بڑی عزت واحترام کا مظاہرہ کیا مگر اس دعوت اور عزت و احترام کا اصل مقصد ان عورتوں کو جمالِ یوسف دکھا کر یہ جتانا مقصود تھا کہ میں جو دِل کے ہاتھوں مجبور ہوئی تو کیوں ہوئی۔ آپ فرماتے ہیں کہ یہ خطاب جمع کے لفظ سے ہے مگر اس سے مراد واحد حضرت عائشہ کی ذات ہے کہ جس طرح صواحب یوسف میں جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے مگر مراد صرف زلیخا ہے۔

حضرتِ عائشہ کو صواحب یوسف اس لئے کہا گیا کہ جب رسول نے امامتِ ابوبکر کا حکم دیا تو اس وقت عائشہ کے دل میں تو یہی تھا کہ اِن کے آبا جان ابوبکر نماز پڑھائیں مگر ظاہر یہ کر رہی تھیں کہ اس کے لئے عمر مناسب ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ نے اتنا سخت طنز اس لئے کیا ہو کہ اس سے پہلے بھی بی بی عائشہ کے کسی قول و فعل سے یہ ظاہر ہوا ہو کہ وہ یہ چاہتی ہیں کہ جناب ابوبکر نماز پڑھائیں تاکہ مسلمانوں میں خلافت کے لئے ان کی حیثیت مستحکم ہوجائے۔ اِس طنز کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ رسول اللہ نے حضرت علی کو نماز پڑھانے کے لئے بلوانا چاہا ہو مگر ان کی یہی بیویاں آڑے آئی ہوں۔ جیسا کہ طبری میں ہے۔

ارقم بن شراجیل سے مروی ہے کہ میں نے ابنِ عباس سے پوچھا کہ آیا کسی کے لئے رسول اللہ صلعم نے وصیت کی تھی۔ انہوں نے کہا نہیں۔ میں نے کہا پھر کیوں کر یہ بات مشہور ہے۔ انہوں نے کہا واقعہ یہ ہوا کہ آپ نے فرمایا علی کو میرے پاس بلا لاؤ۔ اِس پر عائشہ نے آپ سے کہا ابوبکر کو بلوایئے حفصہ نے کہا عمر کو بلوایئے۔ اِس طرح سب آگئے۔ آپ نے فرمایا اب جاؤ اگر آئندہ ضرورت ہوگی تو بلوا لوں گا۔ رسول اللہ صلعم نے پوچھا کیا نماز کا وقت آگیا ہے کہا گیا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا اچھا ابوبکر سے کہو کہ وہ نماز میں امامت کریں۔ عائشہ نے کہا ابوبکر رقیق القلب ہیں آپ اِس کے لئے عمر کو حکم دیں۔ رسول اللہ نے فرمایا اچھا عمر

سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں مگر خود عمر نے کہا کہ ابوبکر کی موجودگی میں میں تقدیم نہیں کرتا اب ابوبکر ہی امامت کے لئے آگے بڑھے۔ اسی اثنا میں رسول اللہ کی تکلیف ذرا کم ہوئی آپ خود نماز کے لئے برآمد ہوئے۔ ابوبکر نے آپ کی آہٹ سن لی۔ وہ اپنی جگہ سے پیچھے ہٹ آئے مگر رسول اللہ صلعم نے ان کا دامن کھینچ کر ان کو پھر امام کی جگہ کھڑا کر دیا اور آپ ان کے پہلو میں بیٹھ گئے اور جہاں سے کلام اللہ کی قرأت ابوبکر نے چھوڑی تھی اس مقام سے آپ نے آگے شروع کی۔ (تاریخ طبری، جلد اول، نفیس اکیڈمی۔ ص ۵۲۳)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ نماز کا وقت قریب تھا تو رسول اللہ صلعم نے حضرت علی کو بلانے کی خواہش ظاہر کی مگر عائشہؓ اور حفصہؓ نے ابوبکر و عمر کو خاموشی سے بلوالیا۔ رسول اللہ صلعم نے اپنے سامنے علیؑ کے بجائے ان دونوں حضرات کو پایا تو آپ کی طبیعت سخت مکدر ہوئی۔ چنانچہ آپ نے دونوں حضرات کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ ضرورت ہوئی تو بلالیں گے اگر ان حضرات کے آنے سے رسول اللہ کی طبیعت میں تکدر نہ پیدا ہوا ہوتا تو یقیناً آپ ان حضرات کو یوں رخصت نہ کرتے۔ یہ بات قابلِ یقین نہیں معلوم ہوتی کہ پہلے تو رسول اللہ نے بڑی بے رُخی سے ان حضرات کو واپس کر دیا اور پھر انہی کے لئے حکم بھیجا کہ وہ آنحضرت کی نیابت کرتے ہوئے مسلمانوں کو نماز پڑھائیں۔ چنانچہ اس بات کا امکان ہے کہ جس طرح سے بی بی عائشہ نے ان حضرات کو رسول اللہ کی مرضی کے بغیر خاموشی سے بلوالیا تھا۔ اسی طرح سے خود اپنی طرف سے نماز پڑھانے کے لئے کہہ دیا ہو۔ روایت کے آخری حصہ میں کہا گیا ہے کہ رسول اللہ کی تکلیف ذرا کم ہوئی تو آپ خود نماز کے لئے برآمد ہوئے اور اس کی وجہ جو کہ ظاہر نہیں کی گئی یہ ہو سکتی ہے کہ جب رسول اللہ کو یہ معلوم ہوا کہ ابوبکر بغیر ان کے حکم کے نماز پڑھانے لگے تو آپ فوراً مسجد میں تشریف لے گئے اور نماز پڑھانا شروع کر دی۔

طبری نے بھی صاحب یوسف والی روایت لکھی ہے اور اس کی راوی عائشہ ہیں روایت سے بات کافی حد تک صاف ہو جاتی ہے۔ روایت ملاحظہ ہو۔

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلعم جب مرض الموت میں بیمار پڑے آپ نے

نماز کے لئے اجازت مانگی گئی۔ آپ نے فرمایا ابوبکر سے کہو کہ نماز پڑھائیں۔ میں نے کہا وہ بہت رقیق القلب ہیں جب آپ کی جگہ امامت کے لئے کھڑے ہوں گے تو ان سے کھڑا نہ ہوا جائے گا مگر دوبارہ آپ نے فرمایا ابوبکر سے کہو نماز پڑھائیں۔ میں نے پھر ان کے متعلق یہی کہا۔ اس پر آپ برہم ہو گئے اور فرمایا تم تو یوسف والیاں ہو اور پھر یہی حکم دیا کہ ابوبکر نماز پڑھائیں۔ اس کے بعد خود آپ ہی نماز کے لئے آہستہ آہستہ اور لڑکھڑاتے ہوئے مسجد میں آ گئے۔ ابوبکر کے قریب پہنچے۔ ابوبکر پیچھے ہٹنے لگے مگر آپ نے اشارے سے ان کو اپنی جگہ کھڑے رہنے کا حکم دیا اور خود آپ نے ان کے پہلو میں بیٹھ کر نماز پڑھی اس طرح ابوبکر نے رسول اللہ صلعم کی اقتدا کی اور لوگوں نے نماز میں ابوبکر کی اقتدا کی۔

(تاریخ طبری۔ حصہ اول۔ صفحہ ۵۲۴)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صواحب یوسف والی روایتوں میں سے حضرت علیؑ کو بلانے والی بات کو جان بوجھ کر اڑا دیا گیا اور جہاں علی ابن ابی طالب کو بلانے کا تذکرہ ہے وہاں باقی ساری روایت موجود ہے مگر "صواحب یوسف" کا لفظ نکال دیا گیا تاکہ اصل حقیقت سامنے نہ آ سکے۔

اگر اوپر کی روایت میں حضرت علیؑ والے حصہ کو شامل کر کے پڑھا جائے تو بات اس طرح بنے گی کہ نماز کا وقت قریب تھا۔ رسول اللہ نے علی ابن ابی طالبؑ کو بلانے کا حکم دیا مگر عائشہ نے کہا آپ ابوبکر کو بلا لیتے تو اچھا تھا اور حفصہ نے کہا کہ آپ عمر کو بلا لیں تو بہتر ہے رسول اللہ دیکھ رہے تھے کہ بیماری کے عالم میں یہ لوگ کس طرح سازشوں میں لگے ہوئے حکم عدولی کرتے رہے ہیں اور اب گھر میں بیویاں ان کے حق میں پر تر دکھا رہی ہیں، چنانچہ تکلیف کی شدت میں عاجز آ کر غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا کہ ابوبکر سے کہہ دو کہ نماز پڑھائیں بی بی عائشہ نے جناب ابوبکر کی رقت قلب کا ذکر کیا تو آنحضرتؐ کا مزاج برہم ہو گیا اور آپ نے غصہ سے فرمایا کہ تم یوسف والیاں ہو (یعنی خود ہی تو تمہاری یہ کوشش رہی ہے کہ تمہارے اباجان نماز پڑھائیں اور اب جبکہ میں اس بات کا حکم دے رہا ہوں تو منع کر رہی ہو اور اس

طرح سے منع کر رہی ہو کہ جیسے ابوبکر میرے بہت بڑے چاہنے والے ہوں کہ میری جگہ نماز پڑھائیں گے تو رقت طاری ہو جائے گی) اور پھر یہی حکم دیا کہ ابوبکر نماز پڑھائیں۔ مگر ذرا دیر بعد آپ کو احساس ہوا کہ اس طرح سے ابوبکر کا نماز پڑھانا مناسب نہیں ہے تو آپ خود ہی آہستہ آہستہ لڑکھڑاتے ہوئے مسجد میں تشریف لے آئے۔ ابوبکر کے قریب پہنچے تو وہ اپنی جگہ سے ہٹنے لگے۔ رسول اللہ نے اس غرض سے کہ ابوبکر کے اس طرح سے ہٹنے اور دوسری جگہ کھڑے ہونے سے لوگوں کی نمازوں میں خلل واقع ہوگا۔ انہیں اشارہ کیا کہ وہ اپنی جگہ کھڑے رہیں اور خود آپ ان کے پہلو میں بیٹھے اور جہاں سے ابوبکر نے قرأت چھوڑی تھی وہیں سے آپ نے شروع کر دی۔ اس طرح سے رسول اللہ نے خود نماز پڑھائی۔

ہم نے جو یہ چند روایتیں نقل کی ہیں اور ان کا جائزہ لیا ہے اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ابوبکر کو امامتِ نماز کے حکم کی روایتوں میں کتنا اضطراب و تضاد ہے یہ روایتیں بہت زیادہ تعداد میں ہیں مگر ایک بات جو تمام روایتوں میں مشترک ہے وہ یہ ہے کہ رسول نے کبھی خود ابوبکر سے مخاطب ہو کر یہ نہیں کہا تم نماز پڑھا دو اس سے دو باتیں سامنے آتی ہیں ایک تو یہ کہ جناب ابوبکر رسول اللہ کے سامنے آنے سے کترا رہے تھے اور اس کی وجہ قضیہ قرطاس میں ان کے دوست عمرؓ کی رسول اللہ سے گستاخی اور ان کی خاموشی اور ان کا جیشِ اسامہ کے ساتھ رسول اللہ کی بار بار ہدایت کے باوجود نہ جانا تھی اور دوسری بات یہ کہ بی بی عائشہؓ نے رسول اللہ کے شدتِ مرض سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے ابا جان کی خدمت میں خود ہی کہلوا دیا ہو کہ آپ نماز پڑھا دیں۔

بعد وفات رسولؐ

۱۲ربیع الاوّل یا ۲۸صفر ۱۱ھ کو رسول اللہؐ نے حجرہ عائشہ میں وفات پائی
اس وقت بی بی عائشہ کے علاوہ رسول اللہؐ کی چہیتی اور بڑی قدر و منزلت والی بیٹی
فاطمہ زہراؑ اور ان کے شوہر علی بن ابی طالب کہ جو رسول اللہؐ کے چچا زاد بھائی بھی تھے
اور جنہیں رسول اللہ نے دلاد کیطرح پالا تھا موجود تھے اور نہیں تھے تو یارِ غار اور جانثار رسول
وزیر اور مشیر خاص یعنی حضرت ابوبکر بن ابی قحافہ۔ یہ اس وقت نواحِ مدینہ کے محلہ سنخ
میں اپنے گھر میں آرام فرما رہے تھے۔ جب رسول اللہؐ کی وفات کی خبر ملی تو فوراً آگئے
اور سیدھے حجرۂ عائشہ میں پہنچے۔ رسول اللہ کے چہرے مبارک سے چادر ہٹائی اور منہ چوم
لیا مگر حیرت ہے کہ اس رقیق القلب کی آنکھ سے ایک آنسو نہ نکلا۔ حالانکہ اس کی بیٹی تین
دن پہلے رسول اللہ سے کہہ رہی تھی کہ یہ آپ کی جگہ نماز پڑھائیں گے تو شدتِ غم سے
رونے لگیں گے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ محبوب آقا کی میت سامنے رکھی ہو اور غلام کی آنکھ سے
آنسو نہ ٹپکیں، اور غلام بھی وہ کہ جس کی یاری اور جانثاری کے چرچے آج بھی ہیں مگر تاریخ
گواہ ہے کہ اس کی آنکھ سے ایک آنسو نہیں نکلا ورنہ جس کے کانوں نے ابوبکر کے یہ جملے
سنے "کیا ہی بابرکت تھی آپ کی زندگی اور کتنی پاکیزہ ہے آپ کی موت"! وہ ان کی آنکھ
میں آنسو بھی دیکھ لیتا۔

جناب ابوبکر مسجد نبوی میں جناب ابوبکر حجرۂ عائشہ سے نکل کر مسجدِ نبوی
میں آئے تو دیکھا کہ عمرؓ برہنہ تلوار لئے ہوئے گھوم رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ اگر کوئی
یہ کہے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔
آپ ہرگز فوت نہیں ہوئے بلکہ موسٰی کی طرح اپنے رب کے حضور تشریف لے گئے ہیں جس

طرح موسٰیؑ چالیس راتیں غیر حاضر رہنے کے بعد واپس اپنی قوم میں آگئے تھے۔ اسی طرح رسول اللہ بھی یقیناً واپس آئیں گے اور منافقین کے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے" جناب ابوبکر منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا۔

"اے لوگو! جو شخص محمدؐ کو پوجتا تھا اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ محمدؐ تو فوت ہو گئے لیکن جو شخص اللہ کی عبادت کرتا ہے تو اللہ یقیناً زندہ ہے اس پر کبھی موت وارد نہ ہوگی"

اور پھر قرآن کی یہ آیت تلاوت کی۔

ترجمہ:۔ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور ان سے پہلے بھی رسول گذر چکے ہیں۔ اگر محمدؐ وفات پا جائیں یا شہید کر دیئے جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے اور جو شخص ایڑیوں کے بل پھر جائے وہ اللہ کو ذرا بھی ضرر نہیں پہنچا سکتا اور عنقریب اللہ شکر گذار بندوں کو نیک بدلہ دے گا۔

صاحبانِ ہوش وخرد ذرا اس تماشہ پر غور کریں کہ ایک تند خو۔ سخت دل اور بے رحم شخص پر تو رحلتِ رسول کا اتنا اثر ہوتا ہے کہ اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھتا ہے یہ سیدھی سی بات اسکی سمجھ میں نہیں آتی کہ جو یہاں آیا ہے اس کا جانا ضروری ہے شدتِ غم میں وہ یہ واضح آیت بھی بھول گیا کہ "محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور ان سے پہلے بھی رسول گذر چکے ہیں......" مگر وہ اپنے دوست کے آتے ہی ہوش میں آجاتا ہے اور ایک نرم خو، رقیق القلب شخص کہ جو بات بات پر رو دیتا ہے اتنا سخت دل ہو جاتا ہے کہ اپنے محبوب آقا کی رحلت کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا اور مسجد میں اپنے اس محبوب آقا کے دنیا سے رخصت ہو جانے کا تذکرہ کرتا ہے مگر لہجہ میں کوئی درد نہیں۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔

دراصل یہ سارا تماشہ حصولِ اقتدار کے لئے تھا۔ جناب عمرؓ اس کوشش میں تھے کہ جب تک ان کے دوست ابوبکر نہ آجائیں اس وقت تک مسلمانوں کو بہلائے رکھا جائے ایسا نہ ہو کہ کوئی خلافت کا مسئلہ چھیڑ دے اور کوئی بازی لے جائے۔ جناب

ابوبکر پر حصولِ خلافت کے جذبات اس طرح سے طاری تھے کہ رسول اللہ سے تمام عمر کی یاری کے باوجود اِن کے دِل میں آنحضرتؐ کی جُدائی کا غم ذرا بھی جگہ نہ پاسکا اور ان کا رقیق قلب رِقت پر آمادہ نہ ہوسکا۔

ابوبکرؓ سقیفہ بنو ساعدہ میں | سقیفہ چھتے کو کہتے ہیں اور یہ لفظ مجازاً اہلِ رائے اور مشورے کے لئے بھی مستعمل تھا۔ یہ سقیفہ انصار کی ایک شاخ بنو سعدہ کی ملکیت تھا اور اس میں عام طور سے انصار کی بیٹھک ہوتی تھی۔ لہٰذا یہ سقیفہ بنو سعدہ کہلاتا تھا۔ انصار کو رسول اللہ کے انتقال کی خبر ملی تو سقیفہ کی بیٹھک میں جمع ہونا شروع ہوگئے اور خلافت کے امور پر صلاح مشورہ کرنے لگے۔ یہ وہی گروہِ انصار تھا جو بغیر کسی دباؤ کے اس وقت ایمان لایا کہ جب رسول اللہ کے اپنے قبیلہ کے لوگ در پئے آزار تھے اور تیرہ۱۳ سال کی تبلیغ کے نتیجہ میں ستر بہتر سے زیادہ لوگ مسلمان نہیں ہوئے۔ اس گروہِ انصار نے رسول اللہ اور دوسرے مہاجرین کی ہر طرح سے خدمت کی۔ انھیں اپنے مال میں حصہ دار بنایا بحکم رسول پر اپنی جان کے نذرانے پیش کئے مگر اب انہیں کیا ہوگیا تھا کہ ان کے محبوب آقا کو غسل و کفن دیا جا رہا ہے اور وہ یہاں اقتدار کے چکر میں پھنسے ہوئے ہیں۔ دراصل بات یہ تھی کہ وہ مہاجرین کے اس مخصوص گروہ جس کے سرغنہ ابوبکر اور عمر تھے کی سیاسی حیثیت کا اندازہ لگا رہے تھے۔ وفاتِ رسول سے چند روز پہلے یہ گروہ جو انداز دکھا رہا تھا۔ اس سے انصار مدینہ نے اِن کے سیاسی عزائم کو بھانپ لیا تھا اور اِدھر مسجد نبوی میں جو ڈرامہ ہو رہا تھا اسے وہ بھی دیکھ رہے تھے چنانچہ انہوں نے بھی مزید وقت ضائع کئے بغیر خلافت کے مسئلہ پر صلاح و مشورہ شروع کر دیا مگر اس صورتحال کو بالکل مختلف انداز سے پیش کیا جاتا ہے کہا جاتا ہے کہ ابوبکر و عمر یہ تصفیہ شروع کرنے سے بری الذمہ ہیں بلکہ انہوں نے تو اسلام پر احسان کیا کہ رسول اللہ کی میت کو چھوڑ کر فوراً سقیفہ پہنچ گئے ورنہ اگر انصار متفق ہو کر اپنوں میں سے کسی کی خلافت کا اعلان کر دیتے تو بڑا فتنہ برپا ہو جاتا مگر ہم یہ عرض کریں گے کہ اگر ان شیوخ کی نیت صحیح ہوتی

تر یہ سقیفہ پہنچ کر انصار کے سامنے یہ کہتے کہ اے گروہِ انصار رسول اللہ کے کفن دفن میں سب بھائی شریک ہوں اس کے بعد یہ مسئلہ مسجدِ نبوی میں تمام مسلمانوں کے سامنے طے ہو گا تو اس بات سے انصار کے لئے انکار کی کوئی گنجائش نہ ہوتی. کیونکہ انصار تو انہی شیوخ کے ڈر سے حفظ ما تقدم کے طور پر سقیفہ میں اکٹھا ہوئے تھے مگر ایسا کرنا خود ان حضرات کے مفاد میں نہ تھا. ان حضرات نے اپنے استحقاقِ خلافت کو ثابت کرنے کے لئے جو تقریریں سقیفہ میں کیں وہ مسجدِ نبوی میں تمام مسلمانوں کے سامنے خصوصاً علیؑ ابن ابی طالب اور دوسرے بنو ہاشم کی موجودگی میں نہیں کر سکتے تھے اور اگر کرتے تو اس کا فائدہ علی بن ابی طالب کو پہنچتا، کیونکہ ان کی تقریروں میں خاص زور اس پر تھا کہ مہاجر رسول اللہ کے قبیلے سے ہیں. ان کے رشتہ دار ہیں اور علی بن ابی طالبؑ رسول اللہ کے سگے چچا زاد بھائی اور انہی کی آغوش کے پالے تھے اور جب سبقتِ اسلام، زہد و تقویٰ علم و دانش، شجاعت و سخاوت، اسلام کے لئے جاں نثاری پر گفتگو ہوتی تو علی جیسے قائدر اسلام کے آگے کوئی نہیں ٹھہر سکتا تھا۔

مسجدِ نبوی کا ڈرامہ ختم کرنے کے بعد جناب ابو بکر حجرۂ عائشہ میں نظر آتے ہیں کہ جہاں رسول اللہ کی تجہیز و تکفین کا سامان ہو رہا تھا. جناب عمر کو اطلاع ملتی ہے کہ انصار سقیفہ میں جمع ہیں اور خلافت کا مسئلہ طے ہو رہا ہے. چنانچہ آپ فوراً ابو بکر کو بلوا بھیجتے ہیں آپ آتے ہیں اور عمر کے ساتھ سقیفہ بنو ساعدہ کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں. راستہ میں عبیدہ بن الجراح مل گئے تو ان کو بھی اپنے ساتھ لے لیتے ہیں اور یہ تینوں سقیفہ پہنچ جاتے ہیں راستہ بھر حضرت عمر اپنے موقف کی حمایت میں نکتے تلاش کرتے رہے. آپ فرماتے ہیں کہ بہ تحقیق میں نے ایک گفتگو اپنے دل میں حیلہ و مکر والی تیار کر لی تھی جو مجھے پسند آئی تھی۔

تینوں حضرات سقیفہ پہنچے تو دیکھا کہ لوگ خلافت کے مسئلے پر گفتگو کر رہے ہیں چنانچہ جناب عمر نے اپنے ذہن میں جو نکات ترتیب دیئے تھے ان کے مطابق آپ نے بولنا چاہا

مگر جناب ابوبکر نے انہیں روک دیا اور خود تقریر کرنا شروع کر دی۔ ان کی تقریر جناب عمر کو بہت پسند آئی۔ آپ فرماتے ہیں کہ ابوبکر نے تو ساری باتیں میرے دل کی کہیں، بلکہ کچھ اور بھی مناسب۔ تقریر ملاحظہ ہو!

"اللہ تعالیٰ نے حضرت محمدؐ کو لوگوں میں رسول بنا کر بھیجا اور اپنی اُمت پر گواہ تاکہ وہ خدا کی عبادت کریں اور توحید کے عقیدے کو اختیار کریں۔ یہ لوگ اس سے پہلے مختلف خداؤں کی عبادت کرتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ وہ ان کی شفاعت کریں گے اور ان کو فائدہ پہنچائیں گے حالانکہ وہ تراشے ہوئے پتھروں اور لکڑیوں کے بنے ہوئے تھے (پھر آپ نے آیت پڑھی) چنانچہ عرب پر یہ بات بہت گراں گذری کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کے دین کو چھوڑ دیں تو خدا نے مہاجرین اوّلین کو مخصوص فرمایا جو رسول کی قوم سے تھے۔ آپ کی تصدیق، ایمان اور غمخواری اور صبر کے ساتھ ان تکلیفوں پر جو خود ان کی قوم والے ان کو پہنچاتے تھے اور تمام لوگ ان کے مخالف تھے ان کی تذلیل کرنے پر تلے رہتے تھے۔ اپنی تعداد کے کم ہونے اور اپنے خلاف لوگوں کی مخالفت اور ان کے اتفاق سے یہ لوگ نہیں گھبرائے۔ یہی لوگ خدا کی زمین پر سب سے پہلے عبادت کرنے والے ہیں اور خدا و رسول پر سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں اور یہ رسول کے عزیز ہیں اور ان کے قبیلہ کے ہیں اور ان کے بعد تمام لوگوں سے زیادہ اس منصب کے اہل ہیں جو ان کے بارے میں نزاع کرے گا وہ ظالم ہوگا۔ اور تم اے جماعت انصار وہ ہو کہ تمہاری دینی فضیلت اور اسلام میں تمہاری بہترین خدمات کا انکار نہیں ہو سکتا۔ خدا نے تم کو اپنے دین اور رسول کی نصرت کے لئے منتخب کیا اور تمہاری طرف ان کی ہجرت قرار دی۔ اور تم میں سے ان کی ازواج اور اصحاب ہیں۔ لہٰذا ہمارے نزدیک مہاجرین اوّلین کے بعد تمہارے مرتبہ کا کوئی نہیں پس ہم حاکم ہوں اور تم وزیر، تمہارے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہیں ہوگا اور ہم تمہارے مشورہ کے بغیر معاملات طے نہیں کریں گے"

ابوبکر کی تقریر ختم ہوئی تو انصار میں سے جناب بن منذر کھڑے ہوئے اور بولے

ش۔ درج کیا۔

"اے گروہِ انصار اپنی حکومت پر قبضہ کرو، کیونکہ یہ لوگ تمہارے سائے میں ہیں کسی میں جرأت نہیں کہ وہ تمہاری مخالفت کر سکے اور تمہاری رائے کے بغیر کوئی بات نہیں طے پا سکتی۔ تم لوگ صاحب عزت و ثروت ہو۔ تم بڑی تعداد اور شان والے آزمودہ لوگ ہو۔ جرأت مند اور بہادر ہو۔ تمہارا طرزِ عمل سب کی نظروں میں ہوگا۔ تم لوگ آپس میں اختلاف نہ کرنا ورنہ تمہارا کام خراب ہو جائے گا اور بات بگڑ جائے گی۔ یہ لوگ اس بات پر جمے ہوئے ہیں جسے تم ابھی سن چکے ہو لہٰذا ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک ان میں سے"۔

اب حضرت عمر کی باری تھی۔ آپ کھڑے ہو گئے۔

"ایک وقت میں دو خلیفہ نہیں ہو سکتے۔ خدا کی قسم عرب تمہارے حاکم بننے پر راضی نہیں ہوں گے جب کہ ان کا پیغمبر دوسری قوم و قبیلہ سے ہو لیکن عرب اس قبیلہ کی امارت تسلیم کرنے سے انکار نہیں کریں گے جس میں نبوت رہ چکی ہے۔ ہم میں سے نبی کا ہونا ہمارے مخالفین کے اوپر حجت ظاہر ہے۔ کون ہے کہ جو محمدؐ کی سلطنت اور امارت کے معاملہ میں ہم سے نزاع کرے۔ ہم ان کے عزیز اور ان کے قوم و قبیلہ کے ہیں یہ تو وہی کر سکتا ہے کہ جو باطل کو اختیار کرے اور گناہ کا مرتکب ہو یا ہلاکت میں پڑنے والا ہو"۔

حضرت عمر کی یہ باتیں سن کر خباب بن منذر کو غصہ آ گیا اور انہوں نے بڑے تند و تیز لہجہ میں تقریر کرنا شروع کی۔

"اے گروہ انصار اپنی طاقت کو اپنے ہاتھ میں لے لو اور اس کی اور اس کے ساتھیوں کی بات نہ سنو ورنہ تم اپنا منصب کھو دو گے اگر یہ لوگ نہ مانیں تو انہیں اس شہر سے باہر نکال دو اور خود حکومت کرو۔ بخدا تم اس بات کے ان سے زیادہ مستحق ہو"۔

یہ باتیں سن کر حضرت عمر بھی غصہ میں آ گئے اور کوسنے دینے لگے۔ عمر نے خباب

سے کہا کہ خدا تجھے غارت کرے۔ حباب نے کہا مجھے کیوں خدا تجھے غارت کرے، قبل اس کے کہ ہاتھا پائی کی نوبت آجاتی۔ ابو عبیدہ بیچ میں آگئے اور ان کے سمجھانے سے دونوں رک گئے تو بشیر بن سعد کھڑے ہو گئے۔ یہ صاحب قبیلہ اوس سے تھے اور سعد بن عبادہ کہ جن کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا کے حسد کے مارے انہوں نے نہیں چاہا کہ وہ خلیفہ بنیں۔ چنانچہ آپ نے یہ تقریر فرمائی۔

"اے گروہ انصار خدا کی قسم اگرچہ ہمیں مشرکین سے جہاد اور دین میں سبقت کی فضیلت حاصل ہے مگر یہ سب کچھ خدا کی خوشنودی اور نبی کی اطاعت اور اپنے نفس کی اصلاح کے لئے تھا۔ ہمارے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ ہم لوگوں پر اس معاملہ کو طول دیں اور اپنی خدمات کا دنیاوی فائدہ حاصل کریں۔ ظاہر ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قریش میں سے تھے اور ان ہی کی قوم کے افراد ان کی خلافت کے زیادہ حقدار ہیں خدا کی قسم میں تو اس معاملہ میں ان سے نزاع نہیں کروں گا۔ خدا کا خوف کرو اور ان کی مخالفت اور منازعت نہ کرو"۔ چنانچہ قبیلہ اوس کے بہت سے بشیر کے ہم آواز ہو گئے

جناب ابوبکر نے یہ حمایت دیکھی تو پھر کھڑے ہو گئے اور انصار کو اپنی حمایت کی طرف بلایا اور تفرقہ بازی سے منع کرتے ہوئے خلافت کے لئے عمر اور ابو عبیدہ بن الجراح کا نام پیش کیا۔ عمر نے ابوبکر کی تعریف میں قصیدہ پڑھا اور ارادہ کیا کہ آگے بڑھ کر ابوبکر کی بیعت کر لیں مگر بشیر بن سعد سبقت لے گیا اور ابوبکر کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیعت کر لی۔ پھر عمر اور ابو عبیدہ بن الجراح نے بیعت کی۔ حباب بن المنذر نے جو یہ منظر دیکھا تو بشیر سے چلا کر کہا۔ چھوڑنے والے نے تجھے چھوڑ دیا۔ تو نے اپنے ابن عم سعد بن عبادہ پر حسد کیا"۔ بشیر بن سعد کو دیکھ کر قبیلہ اوس کے اور لوگ بھی بیعت کے لئے بڑھنے لگے۔ پھر کچھ لوگ مخالفت کے لئے آگے بڑھے۔ حباب نے اپنی تلوار پر ہاتھ ڈالا لوگ اس کی طرف جھپٹے اور تلوار چھین لی۔ وہ اپنی چادر لوگوں کے منہ پر مارتا جاتا تھا اس ہنگامہ میں قریب تھا کہ سعد بن عبادہ کچلے جاتے۔ کسی نے کہا سعد کا خیال کرو اسے

نہ کچلو۔ عمر نے کہا اسے قتل کرو۔ خدا اسے قتل کرے اور سرہانے کھڑے ہو کر کہا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ تجھ کو تو اپنے پیروں سے اس طرح کچلوں کہ تیری ہڈیاں ٹوٹ جائیں۔ قیس بن سعد نے عمر کی داڑھی پکڑ لی۔ ابوبکر نے داڑھی چھڑا دی اور عمر کو سمجھا کر ایک طرف لے گئے۔ اس ہنگامہ کے دوران چند انصار نے ابوبکر کی بیعت کر لی۔

سقیفہ سے واپسی اور بیعت عام سقیفہ بنی ساعدہ سے لوگ واپس ہوئے تو شام ہو گئی تھی۔ چنانچہ دوسرے دن مسجد نبوی میں عام بیعت کا آغاز ہوا جناب ابوبکر منبر پر تشریف لے گئے۔ سب سے پہلے حضرت عمر نے ابوبکر کی حمایت میں ایک مختصر سی تقریر کی اور لوگوں کو بیعت کی دعوت دی۔ سوائے بنو ہاشم اور سعد بن عبادہ کے سب لوگوں نے حضرت عمر کی بیعت کر لی۔ قبیلہ اسلم کے لوگ مدینہ کے اطراف میں رہ رہے تھے انھیں رسول اللہ کی وفات کی خبر ملی تو وہ بھی ہزاروں کی تعداد میں مدینہ آ گئے۔ جب انھیں بتایا گیا کہ ابوبکر کی بیعت ہو گئی ہے تو انہوں نے بھی ان کی بیعت کر لی۔ ابوبکر اور عمر کو اطمینان حاصل ہوا کہ اب ہزاروں کی بیعت کے بعد اگر کوئی بیعت سے انکار کرے گا اور بغاوت پر آمادہ ہو گا تو اسے مرتد قرار دے کر اس کے ساتھ جنگ کی جائیگی

انکار بیعت اور عمر کا جبر و تشدد بنو ہاشم اور چند اصحاب نے حضرت ابوبکر کی بیعت سے انکار کر دیا اور حضرت علیؑ کے گرد جمع ہو گئے ان میں زبیر بن العوام، سلمان فارسیؓ، ابوذر غفاریؓ، مقدادؓ بن عمرو، براء بن عازب، ابی بن کعب بھی شامل تھے مگر بعد میں ان سب لوگوں نے حضرت عمر کے جبر کی وجہ سے ابوبکر کی بیعت بادل نخواستہ کر لی۔ علی بن ابی طالب تنہا رہ گئے۔ آپ نے صاف انکار کر دیا کہ میں ہرگز بیعت نہ کروں گا۔

بیعت کے سلسلہ میں حضرت علیؑ اور ان کے ساتھیوں پر جو جبر کیا گیا اس کے بارے میں کئی مختلف روایات بیان کی جاتی ہیں۔ سب سے مشہور روایت وہ ہے کہ جس میں بنت رسول کے گھر کو آگ لگانے کی دھمکی کا تذکرہ ہے۔ گبن لکھتا ہے کہ

The Hashemites alone declined the oath of fidelity, and their chief in his own house maintained above six months. A sullen and independent reserve, without listening to the threats of Omer, who attempted to consume with fire the habitation of the daughter of the apostle.

{Decline and fall of the Roman Empire vol III P. 519}

شبلی نعمانی نے اس واقعہ کو طبری سے نقل کر کے اپنی قیمتی رائے کا اظہار فرمایا ہے "حضرت عمرؓ نے حضرت فاطمہؑ کے گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہا "یا بنتِ رسول اللہؐ خدا کی قسم آپ ہم کو سب سے زیادہ محبوب ہیں تاہم اگر آپ کے یہاں لوگ اس طرح مجمع کرتے رہے تو میں ان لوگوں کی وجہ سے گھر میں آگ لگا دوں گا" اگرچہ سند کے اعتبار سے اس روایت پر ہم اپنا اعتبار ظاہر نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اس روایت کے رواۃ کا حال ہم کو معلوم نہیں ہو سکا۔ تاہم درایت کے اعتبار سے اس واقعہ کے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ حضرت عمرؓ کی تندی اور تیز مزاجی سے یہ حرکت کچھ بعید نہیں (الفاروق)

خط کشیدہ جملے صاف پیوند کاری لگ رہے ہیں کیونکہ دوسرے مؤرخین کے ہاں اس طرح کی کوئی بات نہیں ہے بلکہ مسلم بن قتیبہ کی کتاب الامامت والسیاست جزء اول کے مطابق "جب عمرؓ نے لوگوں سے کہا کہ باہر نکل آؤ ورنہ میں اس گھر کو آگ لگا دوں گا اور سب لوگ جل جائیں گے تو لوگوں نے عمرؓ سے کہا کہ اس گھر میں فاطمہؑ بنت رسول بھی

ہیں عمر نے کہا ہوا کریں مجھے پرواہ نہیں"۔ سچ تو یہ ہے کہ عمر کو بنت رسول کسی درجہ میں محبوب نہیں تھیں۔ کیونکہ انہیں ان کے والد رسول اللہ صلعم بھی محبوب نہ تھے۔ ان کے طور طریقے خاص طور سے علالتِ رسولؐ کے دوران اور وفات کے بعد سے اب تک کی ان کی کارگذاریاں اس بات کی گواہ ہیں کہ انہیں خلافت سب سے زیادہ محبوب تھی۔

ہم حیران ہیں کہ اتنے بڑے محقق کو اس روایت کے راویوں کے بارے میں کیوں نہ معلوم ہو سکا۔ بہرحال ان کا یہی بہت بڑا احسان ہے کہ انھوں نے روایت کے اعتبار سے انکار نہیں کیا۔

مصر کے مشہور صحافی اور دانشور محمد حسین ہیکل اپنی کتاب "ابوبکر" میں انکارِ بیعت کے حوالے سے کئی روائتیں تحریر فرماتے ہیں مگر اپنی رائے محفوظ رکھتے ہیں۔ انہی روایات میں سے مسلم بن قتیبہ کی ایک روایت کو انکارِ بیعت کی مشہور ترین روایت قرار دیتے ہوئے نقل کرتے ہیں، ملاحظہ ہو۔

" حضرت علی اور دیگر بنی ہاشم کے بیعت نہ کرنے سے متعلق مشہور ترین روایت وہ ہے جو ابن قتیبہ نے اپنی کتاب "الامامۃ والسیاست" میں درج کی ہے وہ یہ کہ حضرت ابوبکر کی بیعت کے بعد حضرت عمر چند لوگوں کو ساتھ لے کر بنی ہاشم کے پاس گئے جو اس وقت حضرت علی کے پاس جمع تھے تاکہ ان سے بھی بیعت کا مطالبہ کریں لیکن سب لوگوں نے حضرت عمر کا مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا۔ زبیر بن عوام تو ہاتھ میں تلوار لے کر مقابلے کے لئے باہر نکل آئے۔ یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

" زبیر کو پکڑ لو"

لوگوں نے زبیر کو پکڑ کر ان کے ہاتھ سے تلوار چھین لی۔ اس پر مجبوراً زبیر نے جا کر حضرت ابوبکر کی بیعت کر لی۔

حضرت علی سے بھی بیعت کرنے کا مطالبہ کیا گیا لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور کہا
" میں تمہاری بیعت نہیں کروں گا کیونکہ میں تم سے زیادہ خلافت کا حق دار

ہوں اور تمہیں میری بیعت کرنا چاہیئے تھی۔ تم نے یہ کہہ کر انصار کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا تھا کہ ہم رسول اللہ کے قریبی عزیز ہیں اور آپ کے قریبی عزیز ہی خلافت کے حقدار ہیں۔ اس اصول کے مطابق تمہیں چاہیئے تھا کہ خلافت ہمارے حوالے کرتے مگر تم نے اہلِ بیعت سے چھین کر خلافت غصب کر لی۔ کیا تم نے انصار کے سامنے یہ دلیل پیش نہیں کی تھی کہ ہم خلافت کے زیادہ حقدار ہیں کیونکہ رسول اللہ ہم میں سے تھے۔ اسلئے تم ہماری اطاعت قبول کرو اور خلافت ہمارے حوالے کرو؟ وہی دلیل جو تم نے انصار کے مقابلے میں پیش کی تھی، اب میں تمہارے مقابلے میں پیش کرتا ہوں۔ ہم تم سے زیادہ رسول کے قریبی عزیز ہیں، اس لئے خلافت ہمارا حق ہے۔ اگر تم میں ذرہ برابر ایمان ہے تو تم ہم سے انصاف کر کے خلافت ہمارے حوالے کرو، لیکن اگر تمہیں ظالم بننا پسند ہے تو جو تمہارا جی چاہے کرو، تمہیں اختیار ہے۔"

حضرتِ عمرؓ نے یہ سُن کر جواب دیا۔

"میں اس وقت تک آپ کو نہ چھوڑوں گا جب تک آپ بیعت نہ کریں گے"

حضرت علیؓ اس وقت تیزی میں آگئے اور کہنے لگے۔

"عمر تم شوق سے دودھ دھو جس میں تمہارا بھی حصہ ہے۔ آج تم اس لئے خلافت ابوبکر کی حمایت کر رہے ہو کہ کل کو خلافت تمہارے پاس لوٹ آئے گی لیکن میں کبھی اِنکی بیعت نہیں کروں گا۔

حضرت ابوبکر کو ڈر پیدا ہوا کہ بات بڑھ نہ جائے اور درشت کلامی تک نوبت نہ آجائے۔ انہوں نے کہا:

"علیؓ اگر تم بیعت نہیں کرتے تو میں بھی تمہیں مجبور نہیں کرتا۔"

اس پر ابوعبیدہ بن جراح حضرت علیؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور نہایت نرمی سے کہا، بھتیجے! تم ابھی کم عمر ہو اور یہ لوگ بزرگ ہیں۔ نہ تمہیں اِن جیسا تجربہ حاصل ہے اور نہ تم ان کی طرح جہاندیدہ ہو، اگر قوم میں کوئی شخص رسول اللہ کی جانشینی کے فرائض

صحیح طور پر بجا لا سکتا ہے اور خلافت کا بوجھ کما حقہٗ اٹھا سکتا ہے تو وہ صرف ابوبکر ہیں اس لئے تم ان کی خلافت قبول کر لو۔ اگر تم نے لمبی عمر پائی تو یقیناً اپنے علم و فضل، دینی تدبر، فہم و ذکا، سبقتِ اسلام، حسب و نسب اور رسول اللہ کی دامادی کا شرف حاصل ہونے کے باعث تمہی خلافت کے مستحق ٹھہرو گے''۔

یہ سُن کر حضرت علی کے جوش کی انتہا نہ رہی اور وہ غصہ سے بولے:

''اللہ اللہ اے گروہِ مہاجرین! تم رسول کی حکومت کو آپؐ کے گھر سے نکال کر اپنے گھروں میں داخل نہ کرو۔ آپؐ کے اہلِ بیت کو ان کے صحیح مقام پر سرفراز کرو اور اِن کا حق انہیں دے دو۔ اے مہاجرین! اللہ کی قسم! ہم ہی خلافت اور حکومت کے مستحق ہیں کیونکہ ہم اہلِ بیت ہیں۔ ہم اس وقت تک اِس کے حقدار ہیں جب تک ہم میں اللہ کی کتاب کا قاری، دین کا فقیہہ، رسول اللہؐ کی سنت کا عالم، رعایا کی ضرورت سے واقف، ان کی تکالیف کو دُور کرنے والا اور ان سے مساوات کا سلوک کرنے والا قائم ہے اور اللہ جانتا ہے کہ ہم میں ان صفات کا حامل موجود ہے۔ اِس لئے اپنی خواہشات کی پیروی کر کے اللہ کے راستے سے گمراہی اختیار نہ کرو اور حق کے راستے سے دُور نہ چلے جاؤ''۔

راویوں کے بیان کے مطابق بشیر بن سعد بھی موجود تھے، جب انہوں نے حضرت علیؓ کی باتیں سُنیں تو کہا:

''اے علیؓ اگر یہ باتیں جو اِس وقت تم نے کہی ہیں۔ انصار کا گروہ ابوبکر کی بیعت سے پہلے سُن لیتا تو وہ لوگ تمہارے سوا کسی کی بیعت نہ کرتے''۔

اِس گفتگو کے بعد حضرت علیؓ طیش میں بھرے ہوئے گھر چلے گئے جب رات ہوئی تو حضرت فاطمہؓ کو لے کر باہر آئے اور انہیں ایک خچر پر بٹھا کر انصار کے پاس لے گئے۔ حضرت فاطمہؓ گھر گھر جاتیں اور ان سے حضرت علیؓ کی مدد کرنے کی درخواست کرتیں لیکن ہر جگہ سے انہیں یہی جواب ملتا:

اے بنتِ رسول اللہؐ! ہم ابوبکر کی بیعت کر چکے ہیں اگر آپ کے خاوند بیعت سے

قبل ہمارے پاس آتے تو ہم ضرور ان کی بیعت کر لیتے۔"

یہ سُن کر حضرت علی غصہ میں آکر جواب دیتے ہیں۔

"کیا میں رسول اللہ کی نعش کو بلا تجہیز و تکفین چھوڑ دیتا اور باہر نکل کر لوگوں سے آپؐ کی جانشینی کے متعلق لڑتا جھگڑتا پھرتا"؟

حضرت فاطمہؑ بھی کہتیں!

"ابو الحسن نے وہی کیا جو ان کے لئے مناسب تھا۔ باقی ان لوگوں نے جو کچھ کیا اللہ ان سے ضرور اس کا حساب لے گا اور باز پرس کرے گا۔"

(اردو ترجمہ "ابوبکر" از محمد حسین ہیکل ص ۹۷ تا ۹۹)

محمد حسین ہیکل نے یہ روایت اپنے انداز سے نقل کی ہے۔ اور کچھ باتوں کو عمداً چھوڑ دیا ہے۔ ان میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ جناب عمر نے فاطمہؑ کا گھر جلانے اور حضرت علی کو قتل کرنے کی دھمکی دی تھی۔ بہر حال فاضل مصنف نے سُنی المسلک ہو کر جو بھی لکھ دیا وہ حالات کو سمجھنے کے لئے کافی ہے بشکر ہے کہ انہوں نے اِس روایت کو قابلِ اعتنا سمجھا اور آج کل کے فیشن کے مطابق اس روایت کو یہودی سازش کا نتیجہ قرار دے کر مسترد نہیں کیا۔

اب ہم آخر میں یہ عرض کریں گے کہ جناب ابوبکر کی فطانت اور اعلیٰ فنکارانہ صلاحیتوں کا کرشمہ تھا کہ انہوں نے علالتِ پیغمبر سے لے کر تکمیلِ بیعت تک کا ہر مرحلہ طے کر لیا اور ایک قطرہ خون بھی نہ بہا۔ یہ اور بات ہے کہ جگر گوشہ رسولؐ کا دل خون ہو گیا اور بی بی عینِ عالمِ جوانی میں گھُل گھُل کر مر گئیں، صرف چھ مہینے میں۔

ایک اور ستم | خیبر کے قلعے فتح ہو جانے کے باوجود فدک والوں نے رسول اللہ سے نصف فدک دے کر صلح کر لی۔ یہ نصف فدک بھی بڑی جائداد تھی اور اس میں کئی نخلستان تھے (فتوح البلدان) عمر بن عبد العزیز کے عہد میں اس کی آمدنی چار ہزار دینار تھی۔

(سنن ابو داؤد)

قرآنی حکم کے مطابق یہ جاگیر رسول اللہ کی خاص ملکیت قرار پائی۔ قرآن مجید

میں ارشاد ہوتا ہے کہ :۔

ترجمہ ! اور جو کچھ اللہ نے اپنے رسول کو ان سے دلوایا۔ پس تم نے نہ اس پر گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو جس پر چاہے مسلط کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے۔ (سورہ الحشر ۶، پارہ ۲۸)

یعنی جاگیر فدک کے حصول کے لئے مسلمانوں کو کوئی کوشش نہیں کرنا پڑی، بلکہ فدک والوں نے برضا و رغبت فدک کی آدھی جاگیر رسول اللہ کے حوالے کر دی اور بعد میں رسول اللہ نے یہ جاگیر اپنی اکلوتی صاحب زادی جناب فاطمہ زہرا کو ہبہ کر دی۔ جب جناب رسولِ خدا نے وفات پائی تو جناب ابوبکر نے بڑی بے رحمی سے اس جاگیر کو بحق سرکار ضبط کر لیا۔ بنتِ رسول اللہ نے مطالبہ کیا کہ انہیں یہ جاگیر واپس کر دی جائے کیونکہ ان کے والدِ محترم اِسے ان کے نام ہبہ کر گئے ہیں۔ اِس پر جناب ابوبکر نے صدیقہ سے گواہیاں طلب کیں۔ صدیقہ و طاہرہ نے گواہی میں علی ابنِ ابی طالب اور اُم ایمن کو پیش کیا۔ جناب ابوبکر نے کہا کہ اے بنتِ رسول ایک مرد اور ایک عورت کی گواہی صحیح نہیں ہے بلکہ دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ہونا چاہیئے اور پھر جب حضرت فاطمہ نے یہ دعویٰ کیا کہ مجھے میرے بابا جان کا ورثہ تو دو پھر خلیفہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نحن معاشر الانبیاء لا نورث ما ترکناہ صدقہ (یعنی ہم گروہِ انبیاء وارث نہیں بناتے جو ہمارا ترکہ ہو وہ صدقہ ہے) بنتِ رسول نے قرآن سے استدلال کیا اور وہ تمام آیتیں پیش کیں کہ جن سے وراثتِ انبیاء ثابت ہوتی ہے اور اس طرح سے انہوں نے اس موضوع حدیث کو مسترد کر دیا مگر بات نہ بنی۔ خلیفہ اپنے فیصلہ پر قائم رہا علی و فاطمہ نے سخت احتجاج کیا اور پھر فاطمہ نے زندگی بھر اس سے بات تک نہ کی؛ ابوبکرؓ و عمرؓ کے ہاتھوں اذیتیں اُٹھانے والی یہ بی بی صرف چھ مہینہ اور زندہ رہ سکی مرنے سے پہلے وصیت کر گئی کہ اس کا جنازہ پردۂ شب میں اُٹھایا جائے اور جنازہ میں ابوبکرؓ و عمرؓ شریک نہ ہوں اور پھر ایسا ہی ہوا کہ جب عرب کے بادشاہ اور مسلمانوں کے نبی کی اکلوتی

چہیتی بیٹی اس دنیا سے رخصت ہوئی تو اس کے شوہر نے بڑی بے سروسامانی کے عالم میں اندھیری رات کے سناٹے میں اسے قبر میں اتار دیا۔ کہتے ہیں جنازے میں گھر کے دو چار افراد شریک تھے۔

ہم نے اس ظلم کی کہانی کو مختصراً پیش کیا۔ بعض مسلمان اس کہانی میں ظلم کے عنصر کو ختم کرنے کے لئے بڑی مضحکہ خیز اور حیران کن تاویلیں پیش کرتے ہیں اور بعض تو اتنے جاہل اور بے غیرت ہیں کہ اسے من گھڑت کہانی قرار دے کر عام بھولے بھالے مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ یہ سب یہودی سازش ہے۔ لہٰذا ہم سب سے پہلے صرف یہ بتائیں گے کہ یہ کہانی سچی ہے کیونکہ اسے قرآن کے بعد مسلمانوں کی سب سے سچی کتابوں یعنی صحیح بخاری اور مسلم میں جگہ ملی۔

صحیح بخاری کی روایت | یحییٰ بن بکیر، لیث، عقیل، ابن شہاب، عروہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ دختر نبی حضرت فاطمۃ الزہرا علیہا السلام نے کسی کو ابوبکر کے پاس بھیجا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے مدینہ اور فدک سے جو مال دیا تھا اور بقیہ خمس خیبر سے ہم اپنی میراث چاہتے ہیں تو ابوبکر نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہم جو کچھ چھوڑ دیں وہ صدقہ (وقف) ہے ہاں آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس میں سے کھا سکتے ہیں، اور خدا کی قسم میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں کوئی تغیر نہیں کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو اس کا انتظام تھا اس پر اس کو رکھوں گا اور اس کے بارے میں میرا بھی وہی عمل رہے گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ غرض ابوبکر نے اس میں سے ذرا سا بھی حضرت فاطمہ کو دینے سے انکار کر دیا تو حضرت فاطمہ اس بات پر جناب ابوبکر سے ناراض ہوگئیں اور مرتے دم تک ان سے بات چیت نہیں کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چھ مہینہ زندہ رہیں۔ جب انہوں نے وفات پائی تو ان کے شوہر علی نے انہیں رات ہی کو دفن کر دیا اور ابوبکر کو اس کی خبر تک نہ کی اور خود ہی ان کی نماز جنازہ پڑھی۔ (صحیح بخاری کتاب المغازی، غزوہ خیبر)

اس روایت میں ہبہ کا تذکرہ نہیں ہے۔ صرف میراث طلب کرنے کا بیان ہے جس کے جواب میں جناب ابوبکر نے رسول اللہ کی یہ حدیث سُنائی کہ ہم گروہِ انبیاء اپنا وارث نہیں بناتے۔ ہم جو کچھ چھوڑ دیں وہ صدقہ ہے اور دوسری مستند کتابوں میں ہے کہ پہلے جناب فاطمہ نے فدک پر اپنی ملکیت کا دعویٰ کیا اور کہا کہ بابا جان یہ جاگیر اپنی زندگی میں مجھے ہبہ کر گئے تھے جس پر جناب ابوبکر نے گواہیاں طلب کیں۔ ہبہ کے سلسلہ میں ہم آگے چل کر گفتگو کریں گے۔ ابھی ہم بی بی فاطمہ کے دعویٰ وراثت اور جواب میں جناب ابوبکر کی طرف سے پیش کی گئی حدیث پر گفتگو کرتے ہیں۔

حدیثِ رسول کی حیثیت و کردار کے بارے میں تمام مسلمان متفق ہیں، کوئی مسلمان یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ رسول کی یہ عظیم المرتبت دختر محض مالِ دُنیا کی خاطر اپنے والد اور اللہ کے رسول کا حکم (ابوبکر کی زبانی) سُن لینے کے باوجود جرح کر سکتی ہیں اور اپنے مؤقف کی حمایت میں قرآنی آیات پیش کر سکتی ہیں اور پھر اتنی خفگی کہ مرتے دم تک ابوبکر سے بات نہ کی اور وصیت کر گئیں کہ ابوبکرؓ و عمرؓ جنازے میں شریک نہ ہوں۔ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ فاطمہؑ کو یقین تھا کہ اِن کے والدِ محترم نے وراثت کے بارے میں ایسی کوئی بات نہیں کہی ہے اور فاطمہؑ کے اس یقین کو نہ کوئی اس وقت چیلنج کر سکتا تھا اور نہ آج یہ چیلنج کر سکتا ہے۔ ایک معمولی عقل کا انسان بھی یہ بات آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ اس حدیث کا تعلق براہِ راست وارثوں سے تھا تو یہ حدیث سب سے پہلے جناب رسولِ خدا کو اپنے وارثوں کو سُنانا چاہیئے تھی اور خاص طور سے اپنی بیٹی اور داماد کو، مگر سنائی تو اپنے دوست کو۔

علماء نے اس حدیث کی عدمِ صحت پر تفصیل سے گفتگو کی ہے، کیونکہ یہ مناظرہ کی کتاب نہیں ہے لہٰذا ہم اتنا کہنا کافی سمجھتے ہیں کہ جو حدیث قرآن سے ٹکراتی ہے اسے موضوع سمجھا جاتا ہے اور یہ حدیث اپنے ان الفاظ کی وجہ سے کہ "ہم گروہِ انبیاء اپنا وارث نہیں بناتے" قرآن کی کئی آیات سے ٹکراتی ہے کہ جن میں وراثتِ انبیاء کا تذکرہ ہے اگر رسول اللہ یہ کہہ جاتے کہ میں آخری رسول کوئی وارث نہیں بنا رہا ہوں تو کچھ بات بنتی مگر یہ ممکن نہیں ہے،

کہ رسول اللہ وراثت کے عام قرآنی حکم کے خلاف اپنے وارثوں سے یہ سلوک کرتے یہی بات تھی کہ جناب فاطمہؑ نے کہا کہ اے ابن ابی قحافہ تو خود تو اپنے باپ کی میراث پائے اور مجھے اپنے بابا کی میراث سے محروم کرتا ہے۔

جب رسول اللہ نے وفات پائی تو فدک فاطمہ کے قبضہ میں تھا اور ان کے کارے زندہ اس پر کام کرتے تھے کیونکہ یہ جاگیر ان کو ہبہ کر دی گئی تھی اور جب بی بی فاطمہ کو غصب فدک کی اطلاع ملی تو آپ خلیفہ کے پاس گئیں اور فرمایا کہ میرے والد محترم جناب رسولِ خدا یہ جاگیر مجھے ہبہ کر گئے ہیں۔ علامہ ابن حجر صواعقِ محرقہ میں ساتویں شبہ کے جواب میں لکھتے ہیں کہ فاطمہ کا یہ دعویٰ کرنا کہ حضور علیہ السلام نے باغِ فدک مجھے دے دیا تھا۔ اس پر سوائے حضرت علی اور اُم ایمن کے آپ کوئی گواہ پیش نہیں کر سکیں۔ اس لحاظ سے گواہی کا نصاب پورا نہیں ہوا۔ نیز اپنی بیوی کے حق میں خاوند کی شہادت کی قبولیت کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے

لوگوں کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ جناب ابوبکر نے بنتِ رسول (کہ جنہیں صدیقہ و طاہرہ القاب سے یاد کیا جاتا ہے) اور عم زاد دامادِ رسول (کہ جو مومنِ کامل تھے) کی گواہی نصاب کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے مسترد کر دی تھی اور ان کا یہ طرزِ عمل اسلامی عدل کی اعلیٰ روایات کے تحفظ کیلئے تھا ایسی کئی نظیریں موجود ہیں کہ موصوف نے ہمیشہ شرائط نصاب کی پابندی نہیں کی۔ صحیح بخاری کتاب المغازی میں جابر بن عبداللہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ اگر بحرین کا مال آئے گا تو میں تم کو ضرور دوں گا مگر آنحضرت کی حیاتِ طیبہ میں وہ مال نہ آیا پھر جب ابوبکر کے پاس وہاں کا مال آیا تو انہوں نے اعلانِ عام کر دیا کہ اگر رسول اللہ نے کسی سے کوئی وعدہ کیا ہو یا ان کے ذمہ کسی کا قرض ہو تو وہ آئے۔ جابر کہتے ہیں کہ میں ابوبکر کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ رسول اللہ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر بحرین کا مال آئے گا تو میں تمہیں اتنا اتنا دوں گا۔ اس پر ابوبکر نے مجھے دے دیا" اس پوری روایت میں کہیں گواہیاں طلب کرنے کا تذکرہ نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ فدک کے فیصلے میں بات کسی اُصول یا نصاب شہادت کی نہیں تھی بلکہ کچھ اور تھی۔ فدک کا مقدمہ تو

آج کی زبان میں دیوانی کا مقدمہ تھا۔ ہمارے سامنے تو فوجداری کی کئی مثالیں ایسی ہیں کہ جس میں جناب ابوبکر نے اسلامی قوانین کا پاس نہیں کیا یا تو سنگین جرائم کے مرتکب کو سیاسی مصلحتوں کی وجہ سے معاف کر دیا یا پھر شدّتِ غضب سے مغلوب ہو کر سزا دینے میں حد سے بڑھ گئے۔ ان واقعات کی تفصیل آگے آئے گی۔

گواہیوں کے سلسلے میں ایک پہلو یہ بھی غور طلب ہے کہ جب رسول کی بیٹی سے اس کے دعویٰ کی سچائی ثابت کرنے کے لئے گواہی طلب کی جا سکتی ہے تو رسول کی بیٹی کو اس بات کا زیادہ حق پہنچتا تھا کہ وہ غاصب خلیفہ سے اس حدیثِ رسول کے بارے میں گواہیاں طلب کرے کہ جس کی بنیاد پر قرآن کی ایک آیت یعنی آیتِ وراثت کے خلاف ایک استثنائی صورت پیش کر کے رسول کی بیٹی کو اس کے حق سے محروم کر دیا تھا

جناب فاطمہ حجت تمام کر چکیں اور خلیفہ اپنے فیصلہ پر قائم رہا تو فاطمہ کے شوہر علی بن ابی طالب کھڑے ہو گئے اور سخت احتجاج کیا۔ انہوں نے خلیفہ کو قولِ رسول یاد دلایا کہ "البینۃ علیٰ من ادعی والیمین علیٰ من ادعی علیہ" یعنی ثبوت و گواہ مدعی کے ذمہ ہے اور قسم مدعا علیہ کے ذمہ۔ آپ نے خلیفہ سے کہا کہ تم نے قولِ رسول رَد کر دیا اور دستورِ شرع کی خلاف ورزی کرتے ہوئے فاطمہؑ سے گواہ طلب کرتے ہو۔ فاطمہ تو حیاتِ پیغمبر سے اب تک اس پر متصرف رہی ہیں۔ علی نے کہا کہ کیا وہ فاطمہؑ جن کی طہارت پر خدا نے شہادت دی ہے وہ زمین کے ایک ٹکڑے کے لئے جھوٹ بول سکتی ہیں؟ تم طاہرہ کی شہادت تو رَد کرتے ہو اور اس بدو کی شہادت قبول کر لیتے ہو جو اپنے پاؤں کی ایڑی پر پیشاب کرتا ہے۔

بنتِ رسول کی توہین اور حق تلفی اور پھر علی بن ابی طالب کے احتجاج سے وہاں موجود لوگ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور یہ کہتے سُنے گئے کہ علی بن ابی طالب سچ کہتے ہیں۔ رسول کی بیٹی کے ساتھ یہ کیسا سلوک کیا جا رہا ہے۔ ابن ابی الحدید کے مطابق لوگوں کا یہ رنگ دیکھ کر خلیفہ منبر پر گیا۔ لوگوں کو ڈانٹا اور علی بن ابی طالب اور دخترِ رسول

کے لئے نازیبا اور بعض رکیک الفاظ کہے۔

صحیح بخاری کے مطابق تو بنتِ رسولؐ ابوبکرؓ کے فیصلہ پر ان سے ناراض ہوگئیں اور تمام عمر بات نہیں کی اور صحیح مسلم کے مطابق حضرت عمر کو علی بن ابی طالب اور رسول اللہ صلعم کے چچا حضرت عباس سے یہ شکایت تھی کہ وہ دونوں حضرات جناب ابوبکر کو جھوٹا، گنہگار، دھوکہ باز اور خائن سمجھتے تھے۔

فلما توفی رسول اللہ قال ابوبکر انا ولی رسول اللہ۔ تطلب میراثک من ابن اخیکؐ وھذا میراث امراتہ من ابیھا فقال ابوبکر قال رسول اللہ لانورث ماترکناہ صدقۃ فرآیتما کاذبا اثما غادرا خائنا

ترجمہ: جب رسول اللہ نے وفات پائی تو ابوبکر نے کہا کہ میں رسول اللہ کا ولی ہوں تو تم دونوں (عباس وعلی) ان کے پاس آئے۔ تم (عباس) تو اپنے بھتیجے کی اور تم (علی) اپنی بیوی کی میراث طلب کرتے تھے۔ اس پر ابوبکر نے کہا کہ رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ ہم جو چھوڑ دیں وہ صدقہ ہے۔ چنانچہ تم دونوں نے (ابوبکر) کو جھوٹا، گنہگار، دھوکہ باز اور خائن سمجھا (صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۹۱)

لشکرِ اُسامہ کی روانگی

جناب ابوبکر نے بیعت کے بعد لشکرِ اُسامہ کی روانگی میں بڑی عجلت سے کام لیا اس سے پہلے رسول اللہ کو بھی لشکرِ اُسامہ کے بھیجنے کی بڑی جلدی تھی مگر آپ کی یہ خواہش پوری نہ ہوسکی اور آپ دنیا سے رخصت ہوگئے۔ رسول اللہ کی حیات میں یہ لشکر مقام جرف سے آگے نہ بڑھ سکا جو کہ مدینہ سے دو تین میل کے فاصلے پر ہے۔

کتنی پُر اسرار بات ہے کہ لشکرِ اُسامہ کو رسول اللہ نے جلد از جلد روانہ کرنا چاہا حالانکہ آپ مرض الموت میں مبتلا تھے اور جناب ابوبکر وعمر باوجود تاکیدی حکم کے نہ خود اس

لشکر کے ساتھ گئے اور نہ اسے جانے دیا اور اب خود ابوبکر کو بھی اس لشکر کی روانگی کی بڑی جلدی ہے۔ حالانکہ بیرونِ مدینہ سے انھیں زبردست خطرہ ہے صحابہ اونچ نیچ دکھا رہے ہیں۔ سمجھا رہے ہیں کہ اس وقت مدینہ کو مسلمانوں سے خالی کیجئے مگر ابوبکر اپنے بھرپور عزم کو ظاہر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ :۔

"اگر جنگل کے کتے اور بھیڑیئے مدینہ میں داخل ہو کر مجھے اٹھالے جائیں تو بھی میں وہ کرنے سے باز نہ آؤں گا جسے رسول اللہ نے کرنے کا حکم دیا ہے"۔

اور پھر یہ کہ نہ تو حیاتِ رسول میں رومیوں سے کوئی فوری خطرہ تھا اور نہ جناب ابوبکر کی بیعت کے فوراً بعد کوئی خطرہ تھا، مگر دونوں حضرات نے جیشِ اسامہ کے معاملہ میں یکساں پالیسی اختیار کی۔ کیونکہ دونوں کے مقاصد ایک ہی طرح کے تھے جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ چاہا تھا کہ ان کی وفات کے موقعہ پر مدینہ علی کے مخالفین سے خالی ہو اور ان کی بیعت ہو جائے۔ اسی طرح ابوبکر نے بھی یہ چاہا کہ انصار کی ایک بڑی تعداد تھوڑے عرصہ کے لئے مدینہ سے چلی جائے کیونکہ کہنے کو تو انہوں نے بیعت کرلی تھی مگر ابھی دل سے راضی نہیں ہوئے تھے اور کسی وقت بھی ان کا رُخ اہلبیت کی طرف ہو سکتا تھا اگر ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے تو پھر اس بات کو تسلیم کرنے پر تیار ہو جائیں کہ جنابِ ابوبکر رسول اللہ کے ایسے دیوانے عاشق تھے کہ انہیں رسول اللہ کی وفات کے بعد بھی ان کی خواہش کا اتنا احترام تھا کہ وہ ہر صورت میں بس پوری کر دی جاتے چاہے ایک مسلمان باقی نہ بچے اور خود انہیں بھی جنگل کے کتے اور بھیڑیئے اٹھا لے جائیں اور پھر خواہش بھی ایسی کہ جس سے کوئی مقصد پورا نہ ہوتا ہو۔

ابوبکر جیسا ہوشمند اور صاحب تدبر شخص کہ جو وفاتِ رسول کے وقت بھی جذباتی نہیں ہوتا۔ میت کو دیکھتا ہے۔ چہرے کو چومتا ہے اور اپنا گوہر مقصود حاصل کرنے کے لئے سقیفہ جا پہنچتا ہے۔ نہ آنکھ میں آنسو، نہ چہرے پر غم کے آثار۔ آج اتنا جذباتی کیسے ہو گیا!

یہ وہی ابوبکرؓ و عمرؓ تو ہیں کہ جنہیں لشکرِ اُسامہ کے ساتھ فوراً روانہ ہونا تھا مگر یہ نہیں گئے انہوں نے حکمِ رسول کو اس بے دردی سے نظر انداز کیا کہ روحِ رسول تڑپ اُٹھی اور پیکرِ لطف و کرم کی زبان پر بے ساختہ یہ الفاظ جاری ہو گئے کہ خدا جیشِ اُسامہ سے تخلف کرنے والوں پر لعنت کرے۔

شمعِ رسالت کے پروانے شاید اس انتظار میں تھے کہ یہ شمع گل ہو اور وہ ایک نئی شمع جلائیں۔ غرض کہ جناب ابوبکر نے لشکرِ اُسامہ کو رخصت کیا اور اپنے رفیق خاص جناب عمر کو روک لیا اور ڈسپلن دیکھئے کہ اس کے لئے امیرِ لشکر سے اجازت لی یہ لشکر بلقا پہنچا تو اسے مرکز بنا کر گرد و نواح میں کچھ فوجی دستے بھیجے گئے۔ رومیوں سے جھڑپیں ہوئیں۔ کچھ مالِ غنیمت ملا اور چالیس دن بعد یہ لشکر مدینہ لوٹ آیا۔ گویا یہ ایک فوجی پکنک تھی کہ اس طرح سے منائی گئی۔

مانعین زکوٰۃ سے جنگ جنہیں منکرین زکوٰۃ کہا جاتا ہے وہ دراصل مانعین زکوٰۃ تھے کیونکہ وہ زکوٰۃ کے فرض سے منکر نہ تھے بلکہ اسے جناب ابوبکر کو دینا نہیں چاہتے تھے انہیں معلوم ہو چکا تھا کہ ابوبکر کس طرح خلیفہ بنے تھے۔ وہ آگاہ ہو چکے تھے کہ خلافت کے حصول کے لئے ابوبکر و عمر اپنے رسول کی میت کو چھوڑ کر سقیفہ بنو ساعدہ چلے گئے تھے۔ وہاں رسول اللہ کے خاندان کا کوئی فرد موجود نہیں تھا اور وہ لوگ اپنے سردار کی تجہیز و تکفین میں لگے ہوئے تھے اور یہاں خلافت ابوبکر نے اُچک لی۔ انصار اپنا خلیفہ بنانا چاہتے تھے مگر ان کی ایک نہ چلی اور قبیلہ کے سردار سعد بن عبادہ کا بُرا حال کر دیا گیا مگر انہوں نے بیعت نہ کی اور علی بن ابی طالب کہ جو رسول اللہ سے سب سے زیادہ قرابت رکھنے والے تھے ان پر جبر کیا گیا انہوں نے بھی بیعت نہیں کی رسول اللہ کے خاندان کے افراد اور انکے خاص آدمیوں کو ابوبکر کی بیعت پر مجبور کیا گیا تو انکے لئے قرآن میں کوئی نص ہے اور نہ رسول اللہ کی اِن کے بارے میں کوئی وصیت ہے پھر ہم کیوں انہیں اپنا امیر تسلیم کریں اور انہیں اپنا مال دیں جس طرح سے مہاجرین و انصار کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ اپنا امیر

بنائیں اِسی طرح سے ہمیں بھی حق ہے کہ ہم اپنا امیر خود بنائیں۔ ہم ویسے ہی مسلمان ہیں کہ جیسے اہلِ مدینہ، پھر ہم مہاجرین و انصار کے امیر کو زکوٰۃ کیوں دیں۔

یہ مانعین زکوٰۃ ذبیان، بنو کنانہ اور غطفان فزارہ کے قبائل تھے کہ جو مدینہ کے گرد و نواح میں رہتے تھے۔ انہوں نے اپنے وفود جناب ابوبکر کی خدمت میں بھیجے ان وفود کو مسلمانوں نے بڑی عزت و تکریم سے اپنے پاس ٹھہرایا، اور جب یہ ابوبکر کے پاس گئے تو اپنا مؤقف اچھی طرح سے واضح کر دیا کہ وہ مسلمان ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں مگر انہیں زکوٰۃ دینے کے لئے مجبور نہ کیا جاتے اس بات پر ابوبکر راضی نہ ہوئے اور وفود ناکام واپس ہو گئے۔

اس مسئلہ پر جناب ابوبکر نے اپنے بھرپور عزم کا اظہار اِن الفاظ میں کیا۔

" واللہ! اگر وہ مجھے ایک رسی بھی دینے سے انکار کریں گے جسے وہ رسُول اللہ کے زمانے میں دیتے تھے تو میں اِن سے جنگ کروں گا۔"

عمر بن خطاب اور بیشتر مسلمانوں کی یہ رائے تھی کہ ہمیں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے والے لوگوں سے ہرگز نہیں لڑنا چاہیئے بلکہ انہیں ساتھ ملا کر مرتدین کے خلاف مصروفِ پیکار ہو جانا چاہیئے۔ بعض لوگ اِس رائے کے مخالف بھی تھے لیکن ان کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔" (ابوبکر از ہیکل)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ مانعینِ زکوٰۃ کو مسلمان سمجھنے اور ان سے جنگ نہ کرنے کے مسئلہ پر صحابہ کا اجماع تھا اور حضرت ابوبکر نے اجماع کے خلاف کام کیا اور مسلمانوں کا خون بہایا۔ حالانکہ اجماع شریعت کا تیسرا بڑا ماخذ شمار ہوتا ہے۔

مانعینِ زکوٰۃ سے جنگ کرنے کے مسئلے نے طول کھینچا تو جناب ابوبکر نے فرمایا:

واللہ! میں صلوٰۃ اور زکوٰۃ میں فرق کرنے والے لوگوں سے ضرور لڑوں گا۔ کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے اور رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ اسلام قبول کرنے والے لوگوں کے ذمہ جو حقوق ہوں گے ان کی ادائیگی کا مطالبہ اِن سے بہر حال کیا جائے گا۔

مگر ہم کہتے ہیں جناب ابوبکر کو اس مطالبہ کا حق کس نے دیا تھا۔ جن لوگوں سے ادائیگی زکوٰۃ کا مطالبہ کیا جا رہا تھا وہ اِن کی بیعت ہی میں کب تھے۔ انہوں نے تو ٹھوس دلائل کی (جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے) بنیاد پر ابوبکر کو اپنا امیر ہی نہیں مانا تھا اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ابوبکر کی خلافت کا جوا تمام مسلمانوں کی گردنوں پر تھا تو بھی انہیں یہ حق نہیں پہنچتا تھا کہ وہ کسی قبیلے کو مجبور کریں کہ وہ انہی کو زکوٰۃ ادا کرے، بلکہ ایک شرعی صورت یہ بھی تھی کہ انہیں یہ سمجھایا جاتا کہ زکوٰۃ صلوٰۃ سے جدا نہیں ہے اگر تم ہمیں نہیں دینا چاہتے تو تمہیں یہ مال اپنے قبیلہ کے مستحق افراد کو دینا ہوگا۔ مگر حضرت ابوبکر یہ سب کچھ کیوں کرتے۔ اصل مسئلہ یہ کب تھا کہ کچھ قبیلے زکوٰۃ کو صلوٰۃ سے جدا کر رہے تھے بلکہ مسئلہ تو یہ تھا کہ کچھ قبیلے جناب ابوبکر کے اقتدار کو چیلنج کر رہے تھے اور یہ چیلنج ان کے لئے ناقابلِ برداشت تھا اور انہوں نے اپنے مخالف مسلم قبائل سے جنگ کی اور انہیں شکست دے کر ان کے مال پر قابض ہو گئے۔ ان کی عورتوں کو کنیزی میں لے لیا۔ انہیں ان کی زمینوں سے بے دخل کر کے جلا وطن کر دیا۔ یہ لوگ آوارہ وطن ہوئے تو ان میں سے بہت سوں نے طلیحہ بن خویلد کے دامن میں پناہ لی۔ اِس شخص نے رسول اللہ کی زندگی کے آخری دنوں میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا

مدینہ کے گرد و نواح کے مانعین زکوٰۃ کو شکست دینے کے بعد جناب ابوبکر کو دور دراز کے مانعین زکوٰۃ اور مرتدین سے جنگ کرنے کی فکر ہوئی کہ جن کا استیصال کئے بغیر آپ اپنے اقتدار کو مکمل نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ آپ نے مقام ذالقصہ میں قیام فرما کر اپنے لشکر کو مختلف حصوں میں تقسیم کیا اور ہر حصہ پر ایک امیر کو مقرر کیا تفصیل یہ ہے:

طلیحہ بن خویلد سے لڑنے کے لئے خالد بن ولید کو بنی اسد کی طرف روانہ کیا اور حکم دیا کہ طلیحہ سے فراغت پا لینے کے بعد مالک بن نویرہ سے جنگ کی جائے۔ یہ علاقے مدینہ کے قریب ہی تھے۔ چنانچہ جنگ کا آغاز یہیں سے کیا گیا۔

عکرمہ بن ابی جہل کو بنی حنیفہ کے سردار سلیمہ سے جنگ کرنے کے لئے یمامہ کی طرف روانہ کیا۔

شرجیل کو حکم دیا گیا کہ پہلے سلیمہ کے خلاف عکرمہ کی مدد کریں اور یہاں سے فراغت پانے کے بعد عمرو العاص کی مدد کے لئے قضاعہ چلے جائیں۔

مہاجر بن امیہ مخزومی کو اسود عنسی، عمرو بن معدیکرب اور قیس بن کلثوم مرادی سے جنگ کرنے کے لئے یمن بھیجا گیا اور حکم دیا گیا کہ یہاں سے فراغت پانے کے بعد حضر موت پہنچ کر اشعث بن قیس سے جنگ کریں۔

سوید بن مقرن کو تہامہ جانے کا حکم دیا گیا۔

علاء بن حضرمی کو بحرین جا کر حطم بن ضبیعہ اور قیس بن ثعلبہ سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا۔

حذیفہ بن محصن غلفانی کو عمان بھیجا کہ وہ وہاں مدعی نبوت ذوالتاج لقیط بن مالک ازدی سے جنگ کریں۔

عرفجہ بن ہرثمہ کو مہرہ روانہ کیا۔

یہ آٹھ مہمیں جنوب کی طرف روانہ کی گئی تھیں کیونکہ ابوبکر کی مخالفت کا زور ادھر ہی تھا۔ شمال میں صرف تین لشکر روانہ کئے گئے۔ تفصیل یہ ہے۔

عمرو بن العاص کو بنی قضاعہ سے جنگ کرنے کے لئے بھیجا گیا۔

ایک لشکر معن بن حاجز سلمیٰ کی قیادت میں سلیم اور بنی ہوزان کے مخالف قبائل سے جنگ کرنے کے لئے روانہ کیا اور آخری لشکر خالد بن سعید کی سرکردگی میں شام کی سرحدوں کی طرف روانہ کیا گیا۔

در اصل ابوبکر کی پالیسی یہ تھی کہ مخالفین پر ایک ساتھ ہر طرف سے حملہ کر کے قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دیا جائے اور اتنی دہشت پھیلائی جائے کہ لوگ سراسیمہ ہو کر مخالفت سے رک جائیں۔ چنانچہ انہوں نے مخالف قبائل اور سالارانِ لشکر کو

دہشت گردی کے پیغامات دیئے۔ ایک خط آپ نے عام لوگوں کے لئے لکھا:

من ابی بکر خلیفۃ رسول اللہ الی من بلغہ کتابی ھذا من عامۃ و خاصۃ اقام علی اسلامہ او رجع عنہ۔ انی بعثت الیکم فلانا فی جیش و من الی امرت یقاتلہ علی ذالک ثم لا یبقی علی احد منھم قدر علیہ و ان یحر قہم بالنار و لقتلہم کل قتلۃ و ان یسبی النساء و الذراری

(طبری جلد ۳ مطبوعہ مصر ص۲۲۶، ۲۲۷)

ترجمہ: یہ خط ابوبکر خلیفہ رسول کی طرف سے ہر خاص و عام کے لئے ہے خواہ اسلام پر قائم ہو یا اس سے پھر گیا ہو، میں فلاں شخص کو فوج کے ساتھ تمہاری طرف بھیج رہا ہوں اور میں نے اسے حکم دیا ہے کہ تم میں سے جو شخص میرا حکم نہ مانے اس سے ضرور لڑے اور اس پر ذرا بھی رحم نہ کھائے اور ان سب کو آگ میں جلا دے۔ سب کو اچھی طرح قتل کردے عورتوں اور بچوں کو لونڈی و غلام بنالے۔

طبری کے مطابق ابوبکر کا اپنی فوج سے یہ عہد ہوتا:

ان ابوبکر کان من عہد الی جیوشہ اذ غشیتم دارا من دور الناس فسمعتم فیہا اذانا الصلوٰۃ فامسکوا عن اھلہا حتی تسالوھم ما الذی نقموا و ان لم تسمعوا اذانا فشنو الغارۃ فاقتلوا واحرقوا۔

ترجمہ: ابوبکر کا اپنی فوجوں سے یہ عہد ہوتا تھا کہ جب تم کسی گھر پر پہنچو اور اس میں نماز کے لئے اذان سنو تو رک جاؤ اور اس میں رہنے والوں سے پوچھو کہ وہ کیوں ناپسند کرتے ہیں اور اگر تم اذان نہ سنو تو انہیں لوٹ لو، غارت کردو، قتل کردو اور جلا ڈالو۔ (طبری جلد ۳ مطبوعہ مصر ص۲۴۱)

جب خالد بن ولید نے بنو حنیفہ سے جنگ کرنے کے لئے ابوبکر کی ہدایت کے مطابق پیش قدمی کی تو جناب ابوبکر نے انہیں ایک ہدایت نامہ تحریر کیا جس کا آخری حصہ ملاحظہ ہو۔

اگر خدا تمہیں فتح عطا کرے تو خبردار ان کے ساتھ نرمی سے پیش نہ آنا۔ ان کے زخمیوں کا کام تمام کرنا، اِن میں سے جو بھاگ جائیں ان کا تعقب کرنا اور جو تمہارے ہاتھ آجائیں ان کو تلوار کے گھاٹ اُتارنا اور آگ میں جلا دینا۔ میری ان ہدایات کی خلاف ورزی نہ ہو۔ والسلام علیک۔ (ابوبکر صدیق کے سرکاری خطوط صٓ۳ بحوالہ اکتفار صٓ۲۵۲، ناشر پنجاب بک ہاؤس۔ کراچی)

محمد حسین ہیکل لکھتے ہیں کہ "انہوں نے اپنے خطوط کا لفظ لفظ نہایت سنجیدگی سے تحریر کیا تھا جو دھمکیاں خطوط میں دی گئی تھیں وہ محض دھمکیاں ہی نہیں تھیں بلکہ وہ انہیں لباسِ عمل پہنانے کا تہیہ کر چکے تھے۔ انہوں نے واشگاف الفاظ میں لکھ دیا تھا امرائے عسکر کو حکم دے دیا گیا ہے کہ وہ پہلے مُرتد لوگوں کو دوبارہ اسلام قبول کرنے کی دعوت دیں، اگر وہ اِسے قبول کرلیں تو ان سے درگذر کریں لیکن انکار کی صورت میں ان سے جنگ کریں اور اس وقت تک جنگ کریں کہ اسلام لانے کا اقرار کرلیں۔ لیکن جو شخص قبولِ دعوت سے انکار کر دے تو اس سے جہاں کہیں وہ ہو جنگ کی جائے اور اسے قتل کیا جائے۔ اس سے اسلام کے سوا کوئی چیز قبول نہ کی جائے۔ قتل کرنے کے لئے تلوار اور آگ دونوں استعمال کی جائیں۔ (ابوبکر صٓ۱۶۹)

صرف یہی نہیں کہ خلیفہ نے اپنے اقتدار کی توسیع کے لئے اپنے جنرلوں کو اس دہشت گردی کا حکم دیا بلکہ خود بھی اس پر عمل کیا۔ آپ نے فجارۃ سلمٰی کو اس مقدس شہر میں جسے مدینۃ النبی ہونے کا شرف حاصل تھا ایک الاؤ روشن کروایا اور اپنے ہی جیسے جیتے جاگتے انسان کو آگ کے شعلوں میں دھکیل دیا مگر تاریخ یہ نہیں بتاتی کہ اس کی دہشت ناک چیخوں کا اس رقیق القلب خلیفہ پر کہ جس کی رقتِ قلب کے چرچے عام ہیں۔ کیا اثر ہوا۔ ہاں اتنا ضرور ہوا ہے کہ جب اس خلیفہ کا وقتِ آخر قریب ہوا تو اس نے کہا کہ کاش میں فجار کو آگ میں نہ جلاتا۔ یا اِسے معاف کر دیتا یا تلوار سے قتل کر دیتا

فجارۃ سلمٰی کون تھا۔ اِسے کس جُرم کی یہ سزا ملی۔ اس کے بارے میں مورخین

کہتے ہیں کہ یہ بنو سلیم کا ایک فرد تھا۔ اس کا نام ایاس بن عبد یالیل تھا۔ یہ شخص جناب ابوبکر کے پاس آیا اور کہا کہ میں مسلمان ہوں۔ آپ مجھے ہتھیار دیجیئے: میں مرتد قبیلوں سے جنگ کرنے کو تیار ہوں۔ چنانچہ ابوبکر نے ہتھیار دے دیئے، لیکن اس نے قبیلہ بنی سلیم، بنو عامر اور بنو ہوازن کو بلا امتیاز قتل کرنا شروع کر دیا اور اس طرح کئی مسلمانوں کو قتل کر دیا، لہذا جناب ابوبکر نے طریفہ بن حاجز کو ایک دستہ کے ہمراہ فجار کی جانب بھیجا کہ اسے قتل یا گرفتار کیا جائے۔ طریفہ اسے گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گیا اور وہ مدینہ لایا گیا۔

طہٰ حسین لکھتے ہیں کہ ابوبکرؓ نے حکم دیا کہ مدینہ میں مصلّٰی کے مقام پر، یعنی وہاں جہاں آنحضرت اور مسلمان عیدین اور جنازے کی نمازوں کے لئے نکلتے تھے، آگ سلگائی جائے اور اس میں فجار کو ڈال دیا جائے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر کے حکم سے اس غدار کو یہ عبرتناک سزا دی گئی اور اسے آگ میں جلا دیا گیا۔ (الشیخان)

علامہ مسعودی کی مروج الذہب میں ہے کہ آپ نے اپنی خطاؤں کا اقرار کرتے ہوئے فرمایا!

کاش میں نے فجار کو جلایا نہ ہوتا۔ اس کو بالکل چھوڑ دیتا یا تلوار سے قتل کر دیتا۔

(مروج الذہب ذکر خلافت ابوبکر)

مالک بن نویرہ کا قتل آپ پڑھ چکے ہیں کہ جناب ابوبکر نے جزیرہ نما عرب کے شمال اور جنوب میں گیارہ لشکر روانہ کئے تھے ان جنگوں کی تفصیل ہمارے موضوع سے باہر ہے۔ ان جنگوں میں جو بھی مظالم ہوئے وہ جناب ابوبکرؓ کے احکام کے مطابق تھے اور ان احکامات ہی سے ان کی سنگینی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ لہٰذا ہم ان سب کو بیان نہیں کریں گے ظلم کی صرف ایک ہی داستان سنائیں گے کہ جس کا تعلق ایک سردار مالک بن نویرہ سے ہے۔ مالک بن نویرہ کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ نہ تو قرآن و سنت کے مطابق تھا اور نہ ہی جناب ابوبکر کے احکامات کے مطابق۔ مگر مالک اور ان کی بیوی کے ساتھ ظلم و زیادتی پر ابوبکر کا سکون، بعض صحابہ اور حضرت عمر کی برہمی کے باوجود ظالم کے

خلاف کوئی کارروائی نہ کرنا جناب ابوبکر کی مصلحت پسندی اور اسلامی عدل کو پس پشت ڈالنے کی ایک نادر مثال ہے۔

مالک بن نویرہ اپنے قبیلہ کا مہذب سردار، اعلیٰ درجے کا شہسوار، بلند پایہ شاعر، خوش گفتار، ہنس مکھ اور ملنسار لمبی لمبی خوبصورت زلفیں، خوش شکل اور جیبہ اسلام پر عقیدہ، صلوٰۃ کا پابند مگر ابوبکر کو زکوٰۃ دینے پر راضی نہیں۔

خالد بن ولید اسد، غطفان اور دیگر قبائل کو کچلنے کے بعد خلیفہ کے حکم سے بطاح پہنچا تاکہ مالک بن نویرہ اور دوسرے قبائل کو خلیفہ کا مطیع بنائے۔ مالک بن نویرہ کو خالد کی سفاکیوں کے بارے میں معلوم ہو چکا تھا۔ لہٰذا اس نے اپنے آدمیوں کو منفرق ہو جانے کا حکم دیا اور انہیں سمجھا دیا کہ اب مقابلہ کی تیاریاں بیکار ہیں۔ خالد وہاں پہنچا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ مقابلہ پر کوئی نہیں ہے اور میدان صاف ہے۔ اب اس نے اپنے فوجی دستے چاروں طرف پھیلا دیئے اور خلیفہ کے حکم کے مطابق انہیں ہدایت کر دی کہ جہاں بھی جائیں اذانیں کہیں اور اگر لوگ اذانوں پر لبیک کہیں تو رک جائیں ان سے جنگ نہ کریں۔ ان سے ارکانِ اسلام کے بارے میں پوچھ گچھ کریں۔

خالد نے جو دستے بنو یربوع کے لوگوں اور مالک کی تلاش میں روانہ کئے تھے ان میں سے ایک دستہ نے مالک بن نویرہ اور اس کے آدمیوں کو گرفتار کر لیا۔ خالد نے ان سے ابوبکرؓ کی ہدایت کے مطابق پوچھ گچھ نہیں کی اور مالک سمیت سب کو قتل کروا دیا

ممتاز مصری دانشور جناب محمد حسین ہیکل لکھتے ہیں:

"واقعہ اس طرح ہوا کہ خود ان لوگوں میں جو مالک اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کر کے لائے تھے، باہم اختلاف تھا کہ آیا مالک اور اس کے ساتھیوں نے اسلام کا اقرار کر لیا تھا اور اذان کی آواز کا جواب دیا تھا یا نہیں؟" موصوف طبری کے حوالے سے ابوقتادہ انصاری (جو خود بھی مالک کو گرفتار کرنے والوں میں شامل تھے) کی روایت لکھتے ہیں: "ہم نے رات کے وقت ان لوگوں پر چھاپہ مارا تو انہوں نے

ہتھیار اُٹھالئے۔ ہم نے کہا، ہم مسلمان ہیں۔ انہوں نے جواب دیا۔ ہم بھی مسلمان ہیں ہم نے پوچھا اگر تم مسلمان ہو تو ہتھیار کیوں اُٹھائے ہوئے ہو؟ انہوں نے کہا یہ ہتھیار تمہارے مقابلے کے لئے نہیں۔ ہم نے کہا اگر تم واقعی مسلمان ہو تو ہتھیار رکھ دو، چنانچہ انہوں نے ہتھیار رکھ دیئے۔ اس کے بعد ہم نے نماز پڑھی اور انہوں نے بھی ہمارے ساتھ نماز ادا کی"۔

ہیکل لکھتے ہیں: یہاں تک تو سب لوگ متفق تھے۔ اختلاف آگے چل کر شروع ہوا۔ ابو قتادہ کہتے تھے کہ ان لوگوں نے ادائے زکوٰۃ کا اقرار بھی کر لیا تھا لیکن دوسرے لوگ کہتے تھے، نہیں انہوں نے زکوٰۃ دینے کا اقرار نہیں کیا، اور زکوٰۃ نہ دینے پر اصرار کیا۔ گواہوں کے درمیان اختلاف کی موجودگی میں خالد کے لئے کوئی قطعی فیصلہ کرنا مشکل تھا۔ چنانچہ ایک روایت کے مطابق انہوں نے فی الحال مالک اور اس کے ساتھیوں کو قید کرنے کا حکم دے دیا۔ رات سخت ٹھنڈی تھی اور جوں جوں وقت گذرتا جاتا تھا خنکی بڑھتی جاتی تھی۔ خالد نے قیدیوں پر ترس کھاتے ہوئے یہ اعلان کرا دیا۔ "دافئوا اسراکم" (اپنے قیدیوں کو گرمی پہنچاؤ) لیکن کنانہ کی زبان میں "مدافاۃ" کا لفظ قتل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اتفاق یہ ہوا کہ جن لوگوں کی تحویل میں یہ قیدی تھے وہ کنانہ سے تعلق رکھتے تھے جب انہوں نے منادی کرنے والوں کی آواز سُنی تو خیال کیا کہ خالد نے ان قیدیوں کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے تلواروں سے ان کا کام تمام کر دیا۔ جب خالد نے چیخ و پکار سُنی تو وہ اپنے خیمہ سے باہر آئے لیکن اس وقت تک تمام قیدیوں کا کام تمام ہو چکا تھا۔ انہوں نے واقعہ سن کر فرمایا۔

"جب اللہ کسی کام کا ارادہ کر لیتا ہے تو وہ ہو کر رہتا ہے"

ہیکل کہتے ہیں: "لیکن اس کے بالمقابل ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ خالد نے مالک کو اپنے پاس بُلا کر باتیں کرنا شروع کیں تا کہ معلوم کریں کہ دونوں گواہیوں میں سے کون سی دُرست ہے۔ اس کے اسلام لانے کی یا ارتداد اور ادائے زکوٰۃ سے

انکار کی۔ جب ادائے زکوٰۃ کے متعلق بات چیت ہو رہی تھی تو مالک نے کہا۔
"میرا تو یہ خیال نہیں کہ تمہارے صاحب نے تمہیں ایسا حکم دیا ہوگا"
خالد کو یقین ہو گیا کہ وہ ادائے زکوٰۃ سے انکاری ہے۔ انہوں نے جھنجھلا کر کہا
"کیا تو انہیں اپنا صاحب خیال نہیں کرتا؟"
یہ کہہ کر انہوں نے اس کی اور اس کے ساتھیوں کی گردن مارنے کا حکم دیا۔
ہیکل ابوالفرج کی کتاب الاغانی کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔
"ابن سلام کی روایت ہے، خالد کو غلطی پر سمجھنے والے کہتے ہیں کہ گفتگو کے دوران مالک نے خالد سے کہا:
"کیا تمہارے صاحب (رسول اللہ) نے تمہیں اس بات کا حکم دیا ہے"؟
اصل میں اس کی مراد یہ نہ تھی کہ وہ ادائے زکوٰۃ کا منکر ہے، بلکہ یہ تھی، کیا رسول اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ جو لوگ ادائے زکوٰۃ کے منکر ہوں ان پر چڑھائی کر دو؟
لیکن جو لوگ اس معاملہ میں خالد کو بے قصور سمجھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ واقعی اس نے اسلام سے انکار کیا تھا اور دلیل میں مالک کے یہ اشعار پیش کرتے ہیں۔

وقلت خذ اموالکم غیر خائف ولا ناظر فیما یجیئ من الغد

فان قام بالامر المخوف قائم منعنا وقلنا الدین دین محمد

(میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اپنے اموال کو بے دھڑک تم اپنے ہی پاس رکھو اور دیکھو کہ کل کیا وقوع میں آتا ہے پھر اگر خوفناک امر (حکومت) کو کوئی قائم کرے تو ہم اس کی مخالفت کریں گے اور کہہ دیں گے کہ دین وہی ہے جو محمد لائے تھے)
یعنی اس نے اپنی قوم کو ہدایت کی تھی کہ وہ کسی صورت بھی زکوٰۃ ادا نہ کرے اور ادائے زکوٰۃ پر اصرار کیا جائے تو یہ کہہ دیا جائے کہ ہم تو محمدؐ پر ایمان لائے ہیں ابوبکرؓ کے دین پر نہیں۔
اس کے بعد جناب ہیکل ابن خلکان کی روایت بیان کرتے ہیں۔

"جب خالد نے مالک کو گفتگو کے لئے بلایا تو اس نے کہا" میں نماز پڑھنے کا اقرار کرتا ہوں لیکن زکوٰۃ دینے سے انکاری ہوں" خالد نے فرمایا" کیا تجھے معلوم نہیں کہ نماز اور زکوٰۃ ایک ساتھ قبول ہوتی ہیں۔ نماز کے بغیر زکوٰۃ اور زکوٰۃ کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی"؟ مالک نے کہا" کیا آپ کے صاحب یہی کہتے تھے؟ خالد نے جواب دیا کیا تو نہیں اپنا صاحب خیال نہیں کرتا؟ اللہ کی قسم میں نے تیری گردن اڑانے کا مصمم ارادہ کرلیا ہے" اس کے بعد بحث طول پکڑ گئی اور گفتگو میں تیزی آگئی۔ آخر خالد نے کہا۔ اب تو میں تجھے ضرور قتل کروں گا۔ یہ کہہ کر آپ نے اپنے آدمیوں کو اس کی گردن مارنے کا حکم دیا۔

محمد حسین ہیکل اپنی رائے کو محفوظ رکھتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بعض لوگ اس روایت کو پہلی روایت پر ترجیح دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ روایت ادھوری معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہی قصہ قرہ بن ہبیرہ، فجاۃ السلمیٰ، ابو شجرہ اور دوسرے لوگوں کے ساتھ بھی پیش آچکا تھا۔ لیکن خالد بن ولید نے مالک بن نویرہ کی طرح انہیں قتل نہیں کیا بلکہ ابوبکر کی خدمت میں روانہ کردیا کہ وہ ان سے جو سلوک مناسب سمجھیں کریں۔ مالک بن نویرہ کا جرم ان لوگوں سے کسی طرح بھی بڑھ کر نہ تھا۔ پھر انہوں نے اسے کیوں قتل کرادیا اور خلیفۃ المسلمین کے پاس نہ بھیجا؟ حالانکہ بنو یربوع میں اسے جو درجہ اور رسوخ حاصل تھا وہ ان لوگوں سے کسی طرح بھی کم نہ تھا اور خالد اس سے خوب واقف تھے۔ ان لوگوں کی رائے میں اس روایت کی تکمیل اس طرح ہوتی ہے کہ خالد نے مالک کی بیوی سے عین اس وقت شادی کرلی تھی جب مالک کا خون زمین میں جذب نہ ہوا تھا۔ ان لوگوں کے خیال میں یہ شادی ہی مالک کے قتل کا اصل سبب تھی۔

محمد حسین ہیکل فرماتے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ مالک بن نویرہ خالد سے باتیں کررہا تھا تو اس کی بیوی لیلیٰ اس کے ساتھ تھی۔ جب اس نے خالد کو یہ کہتے سنا کہ میں تجھے قتل کرنے والا ہوں اور ضرور قتل کرکے رہوں گا تو وہ اس کے قدموں میں گر پڑی اور اس سے اپنے خاوند کے لئے عفو و ترحم کی طلب گار ہوئی۔ اس کے بال کندھوں پر پھیلے ہوئے

تھے اور آنسوؤں کی لڑی آنکھوں سے جاری تھی۔ اس حال میں اس کی خوبصورتی دوبالا ہوگئی جس نے خالد کو مسحور کرلیا۔ جب مالک نے یہ دیکھا تو اس سے کہا

"افسوس میری بیوی ہی میرے قتل کا باعث بنی"

خالد نے کہا "تیری بیوی تیرے قتل کا باعث نہیں بنی بلکہ تیرے اعمال اس کا باعث بنے ہیں۔

یہ کہہ کر اس کی گردن اڑانے کا حکم دے دیا۔

مشہور صحابی ابو قتادہ انصاری خالد کے انسانیت سوز مظالم پر بڑے غم وغصہ میں مبتلا ہوئے۔ وادفئوا اسراکم یعنی اپنے قیدیوں کو گرمی پہنچاؤ کے حکم کی وجہ سے جو قیدی تہہ تیغ کر دیئے گئے تھے اس کا ذمہ دار وہ خالد کو سمجھتے تھے محمد حسین ہیکل لکھتے ہیں: ابو قتادہ نے یہ سمجھا کہ یہ خالد کا محض ایک بہانہ ہے ورنہ اصل میں ان کا منشا ہی یہی تھا کہ ان قیدیوں کو قتل کر دیا جائے، چنانچہ وہ خالد کے پاس گئے اور کہا کہ یہ سب کچھ آپ کا کیا دھرا ہے۔ اس پر خالد نے انہیں ڈانٹا اور وہ ناراض ہو کر مدینہ چلے گئے۔

جناب ابو قتادہ نے مدینہ پہنچ کر حضرت ابوبکر سے ملاقات کی اور ابوبکر کے سامنے خالد کا سارا کچا چٹھا بیان کر دیا اور کہا کہ میں نے قسم کھا لی ہے کہ کبھی خالد کے ساتھ شامل ہو کر جہاد میں حصہ نہیں لوں گا۔ اس پر ابوبکر نے ابو قتادہ کو جھڑک دیا۔ چنانچہ آپ غصہ میں بھرے ہوئے حضرت عمر کے پاس پہنچے اور خالد کی ساری باتیں دہرا دیں۔ حضرت عمر سن کر بہت متاثر ہوئے، ابو قتادہ کو لے کر سیدھے ابوبکر کے پاس پہنچے اور ان سے مطالبہ کیا کہ خالد کو سنگسار کیا جائے مگر جناب ابوبکرؓ نے فرمایا کہ خالد نے تاویل میں غلطی کی۔ میں اللہ کی تلوار کو نیام میں نہیں بند کروں گا۔ عمرؓ ابوبکر کے اس جواب سے مطمئن نہیں ہوئے اور خالد کے بارے میں برابر اصرار کرتے رہے۔ چنانچہ جناب ابوبکر نے خالد کو مدینہ طلب کرلیا۔ طبری میں ہے "خالد بن ولید مدینہ آئے اور مسجد میں داخل ہوئے تو حضرت عمرؓ نے خالد سے کہا کہ تو نے ایک

مسلمان کو قتل کیا اور اس کی عورت پر پھاند پڑا۔ واللہ میں تجھ کو سنگسار کروں گا۔ خالد نے کوئی جواب نہیں دیا، کیونکہ خالد کو شبہ ہوا کہ جو کچھ عمرؓ نے کہا ہے وہ ابوبکر کی رائے کے مطابق ہے۔ اس کے بعد خالد نے ابوبکرؓ کے پاس جاکر حالات بتائے اور معذرت کی۔ ابوبکرؓ نے معذرت قبول کر لی اور انہیں معاف فرمادیا۔ خالد ابوبکر کو راضی کر لینے کے بعد باہر آئے تو عمر کو مسجد میں بیٹھا دیکھ کر بولے کہ ادھر آ۔ اے اُم شملہ کے بیٹے، تو عمر سمجھ گئے کہ ابوبکر ان سے راضی ہو گئے ہیں پھر کچھ کہے بغیر اپنے گھر میں چلے گئے اور دنیا نے یہ بھی دیکھا کہ جب خود انہیں خلافت ملی تو اس وقت انہوں نے خالد کو صرف معزول کیا نہ مالک کے قتل کے جرم میں قتل کیا اور نہ ہی اس کی بیوی لیلیٰ کے ساتھ زنا کرنے کے جرم میں سنگسار کیا۔ وقت گذر جانے کے بعد جرم کی نوعیت نہیں بدل جاتی۔ اگر کوئی شخص آج زانی اور قاتل ہے تو دس برس بعد بھی زانی اور قاتل ہوگا۔ جب کہ خالد کے جرائم اور حضرت عمرؓ کے دورِ حکومت میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہے، صرف ڈیڑھ دو برس کی بات ہے۔ اگر حضرت عمر حق و صداقت کی سربلندی کے لئے کل یہ کہہ رہے ہے کہ خالد قاتل اور زانی ہے تو آج اپنے دورِ اقتدار میں اسے ضرور سنگسار کرتے مگر یہاں مسئلہ تو کچھ اور ہی تھا۔ عمر کی اور خالد کی پرانی رنجش تھی کہتے ہیں کہ کبھی جوانی میں کشتی کے دوران خالد نے حضرت عمر کی ٹانگ بھی توڑ دی تھی اگر خالد سے ان کی دوستی ہوتی تو یہ خود بھی ابوبکر کو یہی رائے دیتے کہ خالد نے تاویل میں غلطی کی ہے اسے شک کا فائدہ دے کر چھوڑ دیا جائے، جیسا کہ خود انہوں نے اپنے دورِ حکومت میں کوفہ کے گورنر مغیرہ بن شعبہ کے ساتھ کیا تھا کہ اسے زنا کے جرم میں تاویل کا سہارا لے کر چھوڑ دیا۔ حالانکہ علی بن ابی طالب کا اصرار تھا کہ مغیرہ کو سنگسار کر دیا جائے۔

خالد کے کیس میں سب سے بڑی سچائی یہی ہے جس کی طرف حضرت ابوبکرؓ نے یہ کہہ کر اشارہ کیا تھا کہ میں اللہ کی تلوار کو نیام میں بند نہیں کروں گا۔ دراصل یہ جناب ابوبکر کی تلوار تھی جسے آپ نے اپنے مخالفین کو کچلنے کے لئے بے نیام کیا تھا۔ اس نے سیکڑوں مسلمانوں کا لہو پیا تھا۔ یہ تلوار ابوبکرؓ کی منشا کو اچھی طرح پورا کر رہی تھی۔ خالد کو حکم تھا

کہ وہ مخالفین پر قابو حاصل ہو جانے کے بعد ذرا بھی رحم نہ کھائیں اور ان پر یہ امر واضح کر دیا گیا تھا کہ انہیں اذان و نماز کے ساتھ ادائیگی زکوٰۃ کے اقرار کے بغیر دائرۂ اسلام سے خارج سمجھا جائے۔ چنانچہ خالد نے خون بہانے کی اس کھلی چھٹی سے خوب فائدہ اٹھایا وہ جناب مالک بن نویرہؓ سے زکوٰۃ کے مسئلہ پر الجھ پڑا اور غضب ناک ہو کر ان کے قتل کا حکم دے دیا، حالانکہ مالک اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں گرفتار کر کے لانے والوں میں اس امر پر اتفاق تھا کہ انہوں نے اسلام کا اقرار کیا اور ہمارے ساتھ نماز پڑھی ہے اور کسی روایت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت مالک نے زکوٰۃ ادا کرنے سے قطعی انکار کر دیا تھا۔ دراصل وہ جناب ابوبکر کو خلافت کا مستحق نہ سمجھتے ہوئے انہیں زکوٰۃ ادا کرنا نہیں چاہتے تھے۔ روایتوں میں صرف یہی لکھا ہے کہ مالک نے خالد سے صرف استفسار کیا تھا کہ کیا زکوٰۃ کے مسئلہ پر تمہارے صاحب کا بھی یہی موقف ہے کہ جو تمہارا ہے۔ بس اسی کو خالد نے بہانہ بنایا اور صحابئ رسول کو قتل کروا کر اپنا گوہر مقصود حاصل کر لیا جو کہ اس قتل کا اصل محرک تھا یعنی مالک کی حسین و جمیل بیوی۔

فتوحاتِ عراق

جنگِ کاظمیہ جزیرہ نما عرب پورے طور سے جناب ابوبکر کے قبضہ میں آگیا اور آپ اس تمام سرزمین کے وارث بن گئے کہ جس پر جناب رسولِ خدا کی حکومت تھی۔ اب آپ کے سامنے کشورکشائی کا کوئی منصوبہ نہ تھا کہ ایک انجان شخص مثنیٰ بن حارثہ شیبانی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عراق کی سیاسی اور جغرافیائی صورتِ حال سے آگاہ کیا اور فوجی امداد مانگی۔ تاکہ وہ یہاں فتوحات کا سلسلہ شروع کر سکے۔

ابوبکر کو معلوم ہوا کہ مثنیٰ کوئی معمولی شخص نہیں بلکہ اپنے قبیلے کا معزز شخص ہے یہ بحرین کے قبیلہ بکر بن وائل سے تعلق رکھتا ہے اور علاء بن حضرمی کے ساتھ شامل ہو کر مخالفین سے جنگ کر چکا ہے اور خود بھی عراق کی طرف پیش قدمی کی ہے۔

مثنیٰ نے خلیفہ کو بتایا کہ عراق کا ڈیلٹائی علاقہ اور دجلہ و فرات کی سرزمین زرخیزی اور شادابی کے لحاظ سے جنت نظیر ہے۔ یہاں باغات کی کثرت اور غلے کی فراوانی ہے اور یہاں کی سیاسی صورتِ حال بھی مسلمانوں کے لئے سازگار ثابت ہوگی کیونکہ اس علاقہ میں زیادہ تر عرب باشندے کھیتی باڑی کرتے ہیں اور مقامی لوگوں کے ہاتھوں تنگ ہیں وہ ضرور اپنے ہم قوموں کا ساتھ دیں گے۔ یہ حالات سن کر حضرت ابوبکر مثنیٰ کی درخواست پر سنجیدگی سے غور کرنے لگے مگر ابوبکرؓ عراق کے حالات سے خود واقف نہ تھے لہٰذا محض اپنی ذمہ داری پر کوئی بڑا قدم اُٹھانے کی ہمت نہ کر سکے تو خالد بن ولید کو بلا کر حالات سے آگاہی حاصل کی اور اس سے رائے طلب کی۔ خالد نے بڑے پُر زور انداز سے مثنیٰ کی تائید کی چنانچہ جناب ابوبکرؓ نے مثنیٰ کو ان لوگوں کا سردار مقرر کر دیا کہ جنہیں ساتھ لے کر وہ عراقی حدود میں کچھ پیش قدمی پہلے ہی کر چکا تھا۔ انہوں نے اسے عراق پر حملے کی اجازت دے دی

اور اس سے وعدہ کیا کہ یہاں سے ایک لشکر بھی اس کی مدد کے لئے بھیج دیا جائے گا
مثنیٰ نے واپس جاکر عراق کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ جس میں اسے کامیابی
حاصل ہوتی رہی۔ حضرت ابوبکر کو بھی حسب وعدہ مثنیٰ کی مدد کے لئے مدینہ سے ایک لشکر
بھیجنا تھا۔ انہوں نے خالد بن ولید کو (کہ جو اپنی دو نئی اور حسین بیویوں کے ساتھ آرام
کر رہا تھا۔ ان میں سے ایک مالک بن نویرہ کی بیوہ لیلیٰ اور دوسری مجاعہ یمامہ کے سردار
کی بیٹی تھی جس سے اس نے یمامہ کی جنگ کے دوران اس وقت شادی رچالی تھی کہ
جب بارہ سو صحابہ کا خون بھی خشک نہیں ہوا تھا) حکم دیا کہ اپنا لشکر لے کر مثنیٰ کی مدد کو
جائیں اور لشکر کی سرداری اپنے ہی پاس رکھیں۔

عراق کی سب سے پہلی لڑائی کاظمیہ کے مقام پر لڑی گئی۔ اس جنگ کے بارے
میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ ایرانیوں نے اپنے آپ کو ایک دوسرے کے ساتھ زنجیروں
سے باندھ لیا تھا تاکہ کوئی فرار نہ ہو سکے۔ اس جنگ میں ہزاروں ایرانی کام آئے اور
ان کا سردار ہرمز خالد کے ہاتھ سے مارا گیا۔ مسلمانوں کو اس جنگ میں اتنا مال غنیمت
ملا کہ جو ان کے حد تصور سے باہر تھا۔ خالد نے اس کا پانچواں حصہ خلیفہ کے پاس مدینہ بھیج دیا

جنگ مذار یہ جنگ مذار نامی مقام پر لڑی گئی۔ یہ مقام اس ندی کے
کنارے تھا کہ جو دجلہ اور فرات کو آپس میں ملاتی ہے۔ یہاں قارن اپنا عظیم لشکر لئے
پڑا تھا کہ جسے شہنشاہ اردشیر نے ہرمز کی مدد کے لئے روانہ کیا تھا مگر یہ لشکر ابھی راستہ
ہی میں تھا کہ اس کی ملاقات ہرمز کے لشکر کے مفرور سپاہیوں سے ہوئی۔ جنہوں نے
ہرمز کی شکست اور اس کے قتل کی خبر سنائی۔ پھر یہ مفرورین بھی قارن کے لشکر میں شامل ہو گئے
خالد اور مثنیٰ اس لشکر کے مقابلے پر آئے اور جنگ شروع ہوئی۔ دونوں فوجیں
بڑی بے جگری سے لڑیں۔ ایرانیوں کے تین بڑے بہادر سردار باری باری مسلمانوں کے
ہاتھ سے قتل ہوئے۔ ان کے قتل سے ایرانی سراسیمہ ہو گئے۔ اس سراسیمگی سے مسلمانوں نے
خوب فائدہ اٹھایا اور مخالفین پر شدید حملے کر کے انہیں تہہ تیغ کرنا شروع کر دیا تو وہ ان

حملوں کی تاب نہ لا سکے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس جنگ میں تیس ہزار ایرانی مارے گئے اور یہ تعداد ان کے علاوہ ہے کہ جو دریا میں غرق ہوئے۔ بہت سے ایرانی فوجی اور وہ لوگ کہ جنہیں ایران کا حمایتی سمجھا گیا معہ اہل وعیال قید کر لئے گئے۔ مشہور بزرگ حسن بصری بھی اسی جنگ میں گرفتار ہو کر آئے تھے۔

جنگ سے فراغت کے بعد علاقہ کے تمام لوگوں کو ذمی بنا کر جزیہ نافذ کر دیا گیا اور جزیہ وصول کرنے کے لئے عمّال مقرر کر دیئے گئے۔

جنگ ولجہ | شہنشاہ ایران اردشیر نے عراق کے بہت بڑے عیسائی قبیلے بکر بن وائل کو مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے ولجہ کی جانب روانہ کیا۔ ادھر خالد اطلاع پا کر مقابلہ کے لئے مذار سے ولجہ پہنچے۔ جنگ شروع ہوئی تو کوئی کسی پر قابو نہ پا سکا کئی دن اسی طرح گذر گئے۔ یہ صورتِ حال خالد کے لئے بڑی صبر آزما تھی۔ لہٰذا اس نے چالبازی سے کام لیا اور اپنی فوج کے کچھ دستہ دشمن کے عقب میں چھپا دیئے تاکہ وہ اچانک حملہ کر کے دشمن کو سراسیمہ کر دیں۔ چنانچہ یہی ہوا کہ جب دونوں لشکر دن بھر کی لڑائی کے بعد اپنی اپنی جگہ پر واپس جا رہے تو اچانک کمین گاہ میں چھپے ہوئے تازہ دم مسلمانوں نے حملہ کر کے عیسائیوں کے حواس باختہ کر دیئے۔ پیچھے سے کمین گاہ میں سے نکل کر آنے والے مسلمانوں اور سامنے سے خالد بن ولید کے لشکر نے عیسائیوں کا قتلِ عام شروع کر دیا تو انھیں شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔

جنگ الیّس | عراق کے عیسائی عرب اپنے ہم مذہب عربوں کی شکست سے غم وغصہ سے بھر گئے انہوں نے اس غم کے مداوے کے لئے مسلمانوں کے خلاف حیرہ ابلہ کے درمیان الیّس کے مقام پر اپنی فوجیں جمع کرنا شروع کر دیں۔ ایرانی سپہ سالار جابان بھی اپنا لشکر لے کر ان کی مدد کو آ پہنچا اور وہیں قریب ہی پڑاؤ ڈال دیا۔ جنگ شروع ہوئی تو عیسائی بڑی جانبازی سے لڑے اور مسلمانوں کو حیران کر دیا مگر آخر کار انہوں نے شکست کھائی۔ فرار ہونے والے عیسائیوں کو خالد کے حکم پر تعقب کر کے گرفتار کیا گیا۔

ان شکست خوردہ مفرورین کے علاوہ دوسرے عیسائی بھی مع اہل و عیال گرفتار کئے گئے اور ان سب کو ایک جگہ جمع کیا گیا۔ ان کے علاوہ کثیر مال بھی ہاتھ آیا۔

الیس کے قریب ایک شہر امغیشیا تھا جو آبادی کے لحاظ سے بھی بڑا شہر تھا اور دولت کے لحاظ سے بھی۔ خالد نے الیس کی جنگ کے خاتمہ کے بعد اس شہر کی طرف رُخ کیا اور اس پر آسانی سے غلبہ حاصل کرلیا۔ غلبہ پانے کے بعد اچھی طرح سے مال لوٹا۔ روایتوں میں ہے کہ صرف اس شہر کی لوٹ میں اتنا مال ملا کہ ہر سپاہی کے حصّہ میں پندرہ سو درہم آئے

تاریخ شاہد ہے کہ ان دونوں جنگوں میں مسلمانوں نے بڑی شقاوت دکھائی خالد نے اعلان کردیا تھا کہ جتنے لوگوں کو زندہ پکڑا جا سکے پکڑ لیا جائے اور صرف اسی کو قتل کیا جائے کہ جو مزاحمت کرے۔ چنانچہ فوجی لوگوں کو گھیر گھیر کر لانے لگے اور قتلِ عام شروع ہوگیا۔ خالد نے چند آدمی ان کی گردنیں اڑانے کے لئے مقرر کردیئے تھے اور یہ کام چوبیس گھنٹے جاری رہا۔

حیرہ حیرہ والوں کو الیس اور امغیشیا کی جنگوں کا حال معلوم ہوچکا تھا اور وہ یہ بات اچھی طرح سمجھ چکے تھے کہ اب خود ان کی باری ہے۔ چنانچہ حیرہ کا حاکم آزاذیہ اپنی فوج لے کر نکلا۔ اِدھر خالد بن ولید نے بھی حیرہ کو فتح کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا تھا۔ چنانچہ وہ بھی اپنی فوج لے کر درمیانی راستہ پر نکل پڑا۔ ابھی جنگ کی نوبت نہ آئی تھی کہ آزاذبہ کو شہنشاہ ایران ارد شیر کی وفات اور اپنے بیٹے کی قتل کی خبر ملی (جو خالد کی فوج کو روکنے کے لئے دریائے فرات پر بند باندھے ہوئے ایک فوجی دستہ کے ساتھ موجود تھا) تو اس نے حوصلہ ہار دیا اور خالد کے آنے سے پہلے ہی راہِ فرار اختیار کی لیکن اہلِ حیرہ نے ہمت نہ ہاری اور قلعہ بند ہو کر ڈٹے رہے۔ ادھر خالد خورنق اور نجف پر قبضہ کرتا ہوا وہاں پہنچ گیا اور ان چار قلعوں کا محاصرہ کرلیا کہ جن میں اہل حیرہ موجود تھے۔

خالد بن ولید نے محاصرین کے سامنے اسلام، جزیہ اور جنگ میں سے کسی ایک

کو قبول کرنے کا فارمولا پیش کیا اور دھمکی دی کہ اگر اس کو قبول نہیں کیا گیا تو انہیں تباہ کر دیا جائے گا۔ شروع میں تو انہوں نے اس فارمولے کو ٹھکرا دیا مگر جب ان پر تیروں کی بارش شروع ہوئی اور لوگ مرنے لگے تو انہوں نے کہلا بھیجا کہ ہم صلح کے لئے تیار ہیں چنانچہ اہل حیرہ نے ایک لاکھ نوے ہزار درہم سالانہ جزیہ دینے پر صلح کر لی اور عہدنامہ تحریر کر دیا گیا۔

فتح کے بعد خالد بن ولید نے حیرہ کو اپنا مستقل مرکز بنا لیا اور وہیں قیام کیا۔ مسلمانوں کی طاقت کا مظاہرہ دیکھ کر حیرہ کے آس پاس کے علاقہ کے بعض زمینداروں نے بھی بغیر لڑے بھڑے جزیہ دینا قبول کر لیا اور خالد کی پناہ میں آ گئے اور اس طرح جنوب میں خلیج فارس سے لے کر شمال میں حیرہ تک کا علاقہ اور مغرب میں جزیرہ نما عرب سے لے کر مشرق میں دریائے دجلہ تک پھیلا ہوا علاقہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔

خالد حیرہ میں ایک سال تک پڑا رہا، کیونکہ خلیفہ کی طرف اس کے پاس احکامات نہیں تھے کہ وہ اب کیا کرے مگر کب تک! اس کی وحشت و بربریت اسے سکون سے کب بیٹھنے دیتی تھی، لہٰذا اس نے خلیفہ کے احکامات کو نظرانداز کرتے ہوئے نئے حملوں کا آغاز کر دیا اور دو نئے شہروں کا انتخاب کیا۔ پہلے اس شخص نے انبار پر چڑھائی کر دی اور پھر عین التمر کا رُخ کیا۔ عین التمر کے قبضہ میں آ جانے کے بعد اس نے تمام اہلِ قلعہ کو قتل اور قلعہ کے تمام مال پر قبضہ کر لیا گیا۔

انبار اور عین التمر کی فتح کے بعد خالد نے خلیفہ کو اپنی نئی کارگزاریوں سے آگاہ کرنے اور خمس کا مال پہنچانے کے لئے ولید بن عقبہ کو بھیجا۔

دومۃ الجندل عیاض بن غنم ایک سال سے دومۃ الجندل کا محاصرہ کئے ہوئے پڑے تھے مگر فتح کے کوئی آثار نہ تھے۔ چنانچہ جناب ابوبکر نے ولید بن عقبہ کو عیاض کی مدد کے لئے دومۃ الجندل روانہ کیا۔ ولید نے وہاں پہنچ کر حالات سے آگاہی حاصل کی اور عیاض کو مشورہ دیا کہ وہ خالد کو مدد کے لئے بلائیں۔ لہٰذا اسے بلا لیا گیا۔ اس کے

آنے کی خبر دومتہ الجندل کے حاکم اکیدر کو ملی تو وہ گھبرا گیا. وہ خالد کو اچھی طرح جانتا تھا اس نے اچھی طرح سے سمجھ لیا تھا کہ اب خیریت اسی میں ہے کہ خالد سے صلح کر لی جائے چنانچہ اس نے اپنے اتحادی جودی بن ربیعہ کو سمجھایا کہ خالد کے ساتھ جنگ کا نتیجہ ہلاکت و تباہی کی صورت میں نکلے گا، لہذا وہ اس سے جنگ کرنے کا ارادہ ترک کر دے، مگر جودی جنگ کرنے پر اصرار کرتا رہا. چنانچہ اکیدر اس سے علیحدہ ہو کر خالد کے کیمپ میں حاضر ہو گیا. اس کے چلے جانے کے بعد دومتہ الجندل میں افواج کی سالاری جودی نے سنبھال لی. یہاں کئی عربی النسل عراقی قبائل مسلم افواج سے لڑنے کے لئے قلعہ کے باہر موجود تھے.

جنگ شروع ہوئی اور دوران جنگ جودی بن ربیعہ اور ایک دوسرا سردار ودیعہ گرفتار کر لیا گیا. ان کی گرفتاری کے بعد باقی فوج بھاگ کھڑی ہوئی اور قلعہ کا رُخ کیا مگر یہ بدنصیب قلعہ کے اندر نہ پہنچ سکے، کیونکہ قلعہ کے اندر جگہ نہ ہونے کی وجہ سے اہل قلعہ نے دروازہ بند کر لیا تھا. خالد کو انسانی خون سے اپنی پیاس بجھانے کا اس سے بہتر موقع کہاں ملتا. چنانچہ اس نے بے دریغ خون بہایا اور قلعہ کے بند دروازے پر انسانی لاشوں کے انبار لگ گئے مگر خالد کی پیاس ابھی نہیں بجھی تھی. اس نے قلعہ کا دروازہ اکھڑوا دیا اور قلعہ کے اندر موجود ہزاروں انسان چن چن کر قتل کر دیئے گئے. جنہیں قیدی بنایا جا چکا تھا انہیں بھی نہیں بخشا گیا. جودی بن ربیعہ اور دوسرے قیدیوں کی گردنیں اُڑا دی گئیں اور جودی کی لڑکی کو جو بہت حسین و جمیل تھی اسے خالد نے اپنی کنیزی میں لے لیا.

دومتہ الجندل کی فتح کا مطلب یہ تھا کہ انتہائی جغرافیائی اہمیت رکھنے والی جگہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئی یہیں سے ایک راستہ عراق اور دوسرا شام کی طرف جاتا تھا

دومتہ الجندل کی فتح کے بعد خالد بن ولید عراق واپس آ گئے اور نئی خونریزی کا سلسلہ شروع کر دیا.

مصیخ | حصید اور خنفاس کے علاقے بڑی آسانی سے مسلمانوں کے قبضے میں آ گئے اور زیادہ خونریزی نہیں ہوئی، مگر مصیخ پر اچانک رات کے وقت حملہ کیا گیا

بیچارے اہلِ مضیح مستقبل سے بے خبر گہری نیند میں سو رہے تھے کہ خالد کی فوج ان پر اچانک تین طرف سے ٹوٹ پڑی اور انسان بھیڑ بکریوں کی طرح قتل کر دیئے گئے۔

بنی تغلب | مضیح کے بعد بنی تغلب کی بستیوں کا رُخ کیا گیا۔ یہاں بھی خالد نے وہی کیا کہ جو وہ مضیح میں کر چکا تھا۔ بنی تغلب کے مردوں کو سو کر اُٹھنا نصیب نہ ہوا سب کے سب تہہ تیغ کر دیئے گئے۔ عورتیں قیدی بنالی گئیں اور "خون ریزی کے ٹھیکہ" کی رقم حسب معمول خمس کی شکل میں خلیفہ کو پہنچا دی گئی۔

فراض | خالد کی بربریت اور سنّا کی کی داستانیں سُن کر عام قبائل دہشت زدہ ہو کر رہ گئے تھے اور ان میں قوتِ مزاحمت بالکل نہیں رہ گئی تھی۔ چنانچہ جب خالد نے شمال کی طرف مزید پیشقدمی شروع کی تو قبائل نے ہتھیار ڈالنے ہی میں خیریت سمجھی۔ خالد علاقہ پر علاقہ فتح کرتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ فراض پہنچ گئے کہ جو شام کی سرحد کے قریب واقع تھا اور یہاں سے ایران کا علاقہ بھی زیادہ دُور نہ تھا۔ اب صورتِ حال یہ تھی کہ خالد کے سامنے رومی تیار کھڑے تھے۔ انہوں نے مدد کے لئے ایرانیوں کو بھی بلا لیا۔ خالد بن ولید اور اس لشکر کے درمیان دریائے فرات حائل تھا۔ رومی فوجیں خالد کے مقابلے کے لئے دریا پار اترنا شروع ہو گئیں۔ اس دوران خالد نے اپنے لشکر کی اچھی طرح سے صف بندی کر لی۔ رومی فوج نے اپنی فوج میں شامل تمام قبائل کو علیحدہ علیحدہ ہو کر جنگ کرنے کا حکم دیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ کون سا قبیلہ کیا کارنامہ انجام دے سکا اور اس سے ایک یہ بھی فائدہ تھا کہ جنگ طول پکڑے گی اور مسلمان فوج تھک جائے گی لیکن یہ حکمت عملی رومیوں کے خلاف گئی۔ خالد نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ وہ رومیوں کی تمام افواج کو گھیر کر اکٹھا کرے اور تابڑ توڑ حملے کرے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور رومی ان حملوں کی تاب نہ لا سکے اور شکست کھا کر بھاگنے لگے۔ مسلمانوں نے دُور تک ان کا پیچھا کیا اور انہیں قتل کرتے چلے گئے۔

مورخین کا اتفاق ہے کہ اس جنگ میں رومی فوج کے ایک لاکھ آدمی مارے گئے۔

فتوحاتِ شام

رومیوں کو مسلسل یہ اطلاعات مِل رہی تھیں کہ خالد بن ولید کے لشکر علاقہ پر علاقہ فتح کرتے چلے جا رہے ہیں۔ یہ جہاں جاتے ہیں خون کی ندیاں بہا دیتے ہیں۔ شکست خوردہ لوگوں کو چُن چُن کر قتل کر دیتے ہیں اور ان کا مال و اسباب لوٹ لیتے ہیں۔ ان کی عورتوں کو اپنی کنیزی میں لے لیتے ہیں۔ چنانچہ وہ بھی اپنی جان و مال عزت و آبرو کی حفاظت کے لئے جنگی تیاریوں میں مسلسل مصروف رہے یہاں تک کہ کیل کانٹے سے لیس لشکر مسلمانوں سے مقابلے کے لئے تیار ہو گئے۔ سلطنت روما نے شام کی سرحد پر بسنے والے تمام قبیلوں کو احکامات بھیجے کہ وہ مسلمان حملہ آوروں کے مقابلے کے لئے ڈٹ جائیں۔

خالد بن سعید ایک لشکر کے ساتھ شام کی سرحد پر ایک مقام تیما میں مقیم تھے آپ کا لشکر گیارہ لشکروں میں سے ایک تھا کہ جنہیں جناب ابوبکرؓ نے مختلف اطراف سے اپنے مخالفین کو کچلنے کے لئے بھیجا تھا آپ کے ذمہ صرف یہ کام تھا کہ شام کی سرحد کو مسلمانوں کے لئے محفوظ بنائیں۔ بغیر خلیفہ کی اجازت کے آپ کو حدودِ شام میں داخل ہونے کی اجازت نہ تھی۔ لہٰذا جب آپ نے رومیوں کو زبردست جنگی تیاریاں کرتے دیکھا تو خلیفہ کو تمام صورتِ حال لکھ بھیجی۔ خلیفہ نے جواب دیا۔

ڈر کر پیچھے نہ ہٹو بلکہ سینہ تانے آگے بڑھو اور خدا سے فتح و نصرت کی دعا مانگو"

اور خالد بن سعید کی مدد کے لئے عکرمہ بن ابی جہل، ولید بن عقبہ اور ایک یمنی سردار ذوالکلاح کی قیادت میں کچھ دستے بھی روانہ کر دیئے۔

خالد بن سعید اجازت ملتے ہی شام کی حدود میں داخل ہو گئے۔ مسلمانوں کے لشکر کو آتا دیکھ کر شامی تتر بتر ہو گئے۔ خالد بن سعید نے مالِ غنیمت پر قبضہ کیا۔ اور اس

ابتدائی فتح کی اطلاع خلیفہ کو بھیج دی، وہاں سے جواب آیا۔

"احتیاط سے پیش قدمی جاری رکھو لیکن سرحد کے اندر زیادہ نہ گھس جانا کہیں ایسا نہ ہو کہ دشمن پیچھے سے حملہ کر کے نقصان پہنچا دے"۔

شامی عرب یہ محسوس کر رہے تھے کہ رومی خود تو جنگ سے جی چراتے ہیں اور ہمیں قربانی کا بکرا سمجھ کر آگے بڑھاتے ہیں۔ لہذا انہوں نے بھی جنگ سے ہاتھ کھینچ لیا اور خالد بن سعید آگے بڑھتے چلے گئے۔

خالد بن سعید کی مدد کے لئے ولید بن عقبہ اور عکرمہ بن ابی جہل پہنچ گئے تو خالد بن سعید نے رومیوں کے ایک عظیم لشکر پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اس لشکر کی قیادت باہان کر رہا تھا۔ باہان کو خالد کے ارادوں کا پتہ چلا تو اس نے چال چلی اور پیچھے ہٹتے ہوئے دمشق کا رخ کیا۔ خالد بھی آگے بڑھتے رہے۔ جب خالد مرج الصفر کے قریب پہنچے تو باہان پلٹ پڑا اور خالد بن سعید کے لشکر کو گھیرنا شروع کر دیا۔ خالد موقع کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے اپنے ہمراہ کچھ فوج لے کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ باقی فوج کو عکرمہ بن ابی جہل رومیوں کے نرغہ سے نکال کر شامی سرحد کے باہر لے جانے میں کامیاب ہو گئے

مسلمانوں کی اس ہزیمت کے بعد ابوبکر نے یکے بعد دیگرے کئی لشکر شام کی طرف روانہ کئے۔ سب سے پہلے شرجیل بن حسنہؓ خالد بن سعید اور ولید بن عقبہ کے ساتھ بھاگی ہوئی فوج کے آدمی لے کر روانہ ہوئے۔ اس کے بعد جناب ابوبکرؓ نے ایک بڑا لشکر تیار کیا۔ جس میں اکثریت مکہ والوں کی تھی اور اس لشکر کی سرداری یزید بن ابوسفیان کے سپرد کی گئی اور اسے شام کی طرف روانہ کیا گیا۔ یزید کے پیچھے پیچھے اس کے بھائی معاویہ بن ابوسفیان کو روانہ کیا اور پھر ابوعبیدہ بن جراح کو حمص کا والی بنا کر ایک بڑے لشکر کے ساتھ روانہ کیا۔

جنگِ یرموک | مسلمانوں کے یہ تمام لشکر شام کے مختلف مقامات پر خیمہ زن ہوئے۔ رومیوں نے بھی ان کے مقابلے کے لئے علیحدہ علیحدہ لشکر روانہ کئے رومیوں کا ہر لشکر اپنے مدِ مقابل سے کئی گنا زیادہ تھا۔ مسلمانوں کے تمام لشکر اس تحمال

سے حواس باختہ ہو گئے۔ اس سے خلیفہ کو مطلع کیا گیا تو یہ ہدایت موصول ہوئی۔

"اکٹھا ہو کر ایک لشکر کی شکل اختیار کرلو اور متحد ہو کر دشمن کے مقابلے کے لئے نکلو"

چنانچہ تمام اسلامی لشکروں نے دریائے یرموک کے بائیں کنارے پر پڑاؤ ڈالا۔ رومیوں کے عظیم الشان لشکر نے کہ جس کی قیادت ہرقل کے فرزند تذارق کے ہاتھ میں تھی ایک ایسے میدان میں خیمہ زن ہونا پسند کیا کہ جس کے تین طرف پہاڑ تھے اور صرف ایک طرف کا راستہ کھلا تھا۔ مسلمان اس راستہ پر پہنچ گئے اور رومیوں کی اس واحد گزرگاہ کو بند کر دیا اور اس طرح رومی افواج محصور ہو گئیں۔ جب رومی اس واحد راستہ سے مسلمانوں پر حملہ آور ہوتے تو مسلمان انہیں آسانی سے پسپا کر دیتے کیونکہ رومی اپنی کثیر تعداد کے ساتھ حملہ آور نہیں ہو سکتے تھے۔ دوسری طرف مسلمان حملہ کرتے تو زیادہ اندر تک نہ جاتے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلمان قلت تعداد کے سبب محصور ہو جائیں۔ اسی عالم میں دو ماہ گزر گئے اور کوئی فیصلہ نہ ہو سکا چنانچہ اس صورتِ حال سے خلیفہ کو آگاہ کیا گیا۔ خلیفہ نے خالد بن ولید کو عراق سے یرموک پہنچنے کا حکم دیا۔ خالد نے خلیفہ کے حکم کے مطابق مثنیٰ کو عراق میں اپنا نائب بنایا اور خود آدھی فوج لے کر یرموک پہنچ گئے۔ خالد کے یرموک پہنچ جانے کے باوجود ہفتوں گزر گئے مگر صورتِ حال میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ ابھی جنگ جاری تھی کہ مدینہ سے ایک قاصد آیا اور اس نے خالد کو ایک طرف لے جا کر بتایا کہ ابوبکرؓ وفات پا گئے ہیں اور پھر انہیں نئے خلیفہ کا خط دیا جس میں خالد بن ولید کی معزولی کا حکم تحریر تھا اور یہ ہدایت بھی تھی کہ لشکر کی قیادت ابو عبید بن جراح کے سپرد کر دی جائے۔ خالد نے اس خبر کو دورانِ جنگ ظاہر کرنا مناسب نہیں سمجھا اور اپنی قیادت میں جنگ جاری رکھی اور ان ہی کی قیادت میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ فتح کے بعد خالد نے لشکر کی قیادت ابوعبیدہ بن الجراح کے سپرد کر دی۔

خالد کی معزولی کے حکم کے بارے میں بڑا اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض مؤرخین کے نزدیک خالد بن ولید کی معزولی کا خط خود خالد کے پاس نہیں بلکہ ابوعبیدہ کے پاس

آیا تھا اور انہوں نے اِس خط کو دمشق کے محاصرہ تک خفیہ رکھا اور بعض مورخین کے مطابق ابوعبیدہ نے اِس خبر کو فتح دمشق تک خفیہ رکھا۔ اس بات میں بھی اختلاف ہے کہ جنگِ یرموک شام کی پہلی جنگ ہے یا آخری لہٰذا بعض راویوں کا خیال ہے کہ یہ جنگ حضرت عمر کے دَور میں لڑی گئی۔

حضرت ابوبکرؓ کی وفات | حضرت ابوبکرؓ کے مرض الموت کے بارے میں راویوں میں اختلاف ہے۔ ایک روایت تو یہ ہے کہ ایک یہودی نے آپ کو کھانے میں زہر دیا تھا۔ یہ سریع الاثر زہر نہیں تھا لہٰذا آپ پر اس کا اثر سال بھر بعد ہوا اور آپ نے اسی کے اثر سے انتقال فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ کو سِل کا مرض تھا مگر سب سے معتبر روایت یہ ہے کہ آپ نے سردی کے موسم میں ٹھنڈے پانی سے غسل فرمایا تو بخار ہوگیا اور آپ پندرہ دن تک اس میں مبتلا رہے۔ ۲۲ جمادی الآخر ۱۳ھ کو مغرب وعشاء کے درمیان دنیا سے کوچ کیا۔ آپ کی وصیت کے مطابق آپ کی زوجہ محترمہ نے غسل دیا۔ حضرت عمرؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور حجرۂ عائشہ میں رسول اللہ کی قبر کے پہلو میں تھوڑا نیچے آپ کی قبر بنائی گئی اور دفن کیا گیا۔

خانۂ عائشہؓ میں نوحہ خوانی | طبری کی ایک روایت کے مطابق جناب ابوبکرؓ کے انتقال کے بعد آپ کی بیٹی حضرت عائشہؓ نے خواتین کو جمع کرکے باقاعدہ نوحہ خوانی کا انتظام کیا۔ طبری میں ہے کہ:۔

"سعید بن المسیب کی روایت ہے کہ جب ابوبکرؓ کا انتقال ہوگیا تو عائشہؓ نے ان پر نوحہ خوانی کرنے والیوں کو بٹھایا، اتنے میں عمرؓ آگئے اور ان کے دروازہ کے پاس آکر کھڑے ہوگئے۔ آپ نے ان کو ابوبکرؓ پر نوحہ اور بین کرنے سے روکا مگر ان عورتوں نے باز آنے سے انکار کر دیا۔ عمرؓ نے ہشام بن ولید کو حکم دیا کہ تم اندر جاکر ابوقحافہ کی بیٹی ابوبکر کی بہن کو پکڑ کر میرے پاس لاؤ۔ جب عائشہؓ نے عمرؓ کو ہشام کو یہ حکم دیتے سُنا تو بولیں ہشام میں تمہیں اپنے مکان میں داخل ہونے کی ممانعت کرتی ہوں۔ عمرؓ نے ہشام سے کہا

اندر جاؤ میں تم کو اجازت دیتا ہوں، ہشام اندر گھس گئے اور اُمّ فروہ ابوبکرؓ کی بہن کو عمرؓ کے پاس پکڑ لاتے۔ عمرؓ نے دُرّہ اُٹھا کر ان کے کئی بار رسید کیا۔ درّہ کی آواز سن کر نوحہ والیاں سب بھاگ گئیں (تاریخ طبری حصہ دوم ناشر نفیس اکیڈمی، کراچی صفحہ ۲۶۸)

جانشینی | دو سال تین مہینے پہلے علی بن ابی طالب نے عمر بن خطاب سے کہا تھا کہ آج تم ابوبکرؓ کی خلافت کی حمایت اس لئے کر رہے ہو کہ کل یہ تمہاری طرف لوٹ آئے گی اور آج یہ بات سچ ہو رہی تھی۔ جب جناب ابوبکر کا وقت قریب ہوا تو انہوں نے پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق جناب عمر بن خطاب کو خلیفہ نامزد کرنے کا ارادہ کیا اور رسمی طور سے سرکردہ مہاجرین و انصار سے مشورہ بھی کر لیا۔ سب سے پہلے عبدالرحمٰن بن عوف سے رائے لی اور پھر عثمان بن عفان سے۔ عمرؓ کے بعد خلافت ان کی طرف لوٹنے والی تھی لہذا ان دونوں حضرات نے حضرت ابوبکرؓ کی ہاں میں ہاں ملائی۔ کچھ لوگوں نے بُرے مُنہ بنائے تو آپ ان پر غضبناک ہوگئے۔ جناب ابوبکر کی خدمت میں طلحہ بن عبیداللہ کچھ لوگوں کو لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا "ہم نے سُنا ہے آپ عمرؓ بن خطاب کو اپنا جانشین مقرر کر رہے ہیں۔ اگر یہ ٹھیک ہے تو جب اللہ آپ سے عمرؓ کو خلیفہ بنانے کے متعلق باز پرس کرے گا تو آپ اسے کیا جواب دیں گے؟ آپ کی موجودگی میں تو وہ لوگوں سے جس طرح پیش آتے ہیں اس کا حال آپ پر عیاں ہے مگر آپ کے بعد تو ان کے ظلم و ستم کی کوئی حد نہ ہوگی"۔

دوسرے دن عبدالرحمٰن بن عوف جناب ابوبکر کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے لوگوں کے مُنہ پھُلانے کا تذکرہ کیا:۔

میں نے تمہارا امیر اس شخص کو مقرر کیا ہے جو میرے نزدیک تم سب میں بہتر ہے لیکن یہ سنتے ہی تم میں سے ہر شخص کا مُنہ سُوجھ جاتا ہے اور وہ میرا انتخاب ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہے۔ (ابوبکر۔ ہیکل)

ستم بالائے ستم کہ پہلے کی طرح اس دفعہ بھی علی بن ابی طالب کو چھوڑ دیا گیا۔

بانیٔ اسلام کے خاندان والوں کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا۔ ان میں سے کسی فرد سے صلاح مشورہ کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ اہلِ انصاف بتائیں کہ غاصب اور کسے کہتے ہیں ؟
عمر کی نامزدگی کی بات سن کر ہر ایک کا منہ سوجھ جاتا ہے اور ابوبکر کے انتخاب پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا جاتا ہے مگر اس کے باوجود حضرت ابوبکر عثمان کو بلا کر جناب عمرؓ کی نامزدگی کا وصیت نامہ لکھوا دیتے ہیں اور اس طرح سے حضرت ابوبکر نے ایفادہ وعدہ پورا کر دکھایا کہ جو آپ حضرت عمر سے آنکھوں آنکھوں میں کرتے رہتے تھے۔

جناب ابوبکر کی دینی و علمی خدمات

جمع قرآن اسے حضرت ابوبکر کی زندگی کا بہت بڑا کارنامہ قرار دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ ان کے تمام کارنامے اس کے آگے ہیچ ہیں اور یہ اس لئے کہ جناب ابو بکر نے قرآن کو جمع کر کے اللہ کے کلام ہدایت کو رہتی دنیا تک محفوظ کر دیا حضرت ابوبکر کو یہ ضرورت کیسے محسوس ہوئی۔ اس کے متعلق روایتیں بتاتی ہیں کہ یمامہ کی جنگ میں کثرت سے حفاظ شہید ہو گئے تھے تو حضرت عمرؓ کو خطرہ پیدا ہوا کہیں ایسا نہ ہو کہ اس طرح سارے ہی حافظِ قرآن شہید ہو جائیں اور مسلمان اللہ کے کلام سے محروم ہو جائیں۔ لہٰذا آپ نے جناب ابوبکرؓ کو مشورہ دیا کہ قرآن کو جمع کرنے کا انتظام کریں، مگر ابوبکرؓ نے یہ مشورہ سن کر حیرانی ظاہر کی اور کہا کہ جو کام رسولؐ نے اپنی زندگی میں انجام نہیں دیا۔ وہ میں کیسے کروں (کاش کہ جناب ابوبکرؓ اپنے دوست عمرؓ کو خلیفہ بناتے وقت یہ سوچ لیتے کہ جو کام رسول اللہ نے نہیں کیا وہ میں کیسے کروں۔ آپ نے خود تو عمر کے حق میں باقاعدہ تحریر لکھ دی مگر رسول اللہ خلافت کے بارے میں لکھنے لگے تو انہی عمرؓ صاحب نے کہا کہ ہمیں کتابِ خدا کافی ہے اور رسول اللہ کو کچھ لکھنے نہ دیا) اس پر حضرت عمرؓ نے جناب ابوبکر کو کچھ اونچ نیچ سمجھائی تو آپ راضی ہو گئے

اور قرآن کو جمع کرنے کا کام زید بن ثابت کے سپرد کیا کہ جو ایک انصاری کے بیٹے تھے اور ابھی نوجوانی کے دور سے گذر رہے تھے۔ جمع قرآن کے بارے میں بخاری میں ایک تفصیل روایت موجود ہے ملاحظہ ہو۔

موسیٰ بن اسمٰعیل، ابراہیم بن سعد، ابن شہاب عبید بن سباق، حضرت زید بن ثابت سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان فرمایا کہ یمامہ کی خونریزی کے زمانہ میں مجھ کو حضرت ابوبکرؓ نے بلا بھیجا۔ اس وقت حضرت عمرؓ بھی ان کے پاس بیٹھے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ عمرؓ میرے پاس آئے اور کہا کہ جنگ یمامہ میں بہت سے قاری شہید ہوگئے اور مجھے اندیشہ ہے کہ بہت سی جگہوں میں قاریوں کا قتل ہوگا تو بہت سا قرآن جاتا رہے گا۔ اس لئے میں مناسب خیال کرتا ہوں کہ آپ قرآن کے جمع کرنے کا حکم دیں۔ حضرت ابوبکر کا بیان ہے کہ میں نے عمرؓ سے کہا کہ تم وہ کام کروگے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ عمرؓ نے کہا خدا قسم! یہ بہتر ہے اور عمرؓ مجھ سے بار بار ضد کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ نے اس کے لئے میرا سینہ کھول دیا! اور میں نے بھی اس میں وہی خیال کیا جو عمرؓ نے خیال کیا۔ زید کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے مجھ سے کہا کہ تم ایک جوان آدمی ہو۔ ہم تم کو متہم بھی نہیں کرسکتے اور تم رسول اللہ کے لئے وحی لکھتے تھے، اس لئے قرآن کو تلاش کرکے جمع کرو۔ خدا کی قسم! اگر مجھے وہ کسی پہاڑ کو اٹھانے کی تکلیف دیتے تو قرآن کے جمع کرنے سے جس کا انہوں نے مجھے حکم دیا تھا زیادہ وزنی نہ ہوتا۔ میں نے کہا آپ لوگ کس طرح [illegible]ام کریں گے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ حضرت ابوبکر نے کہا خدا کی قسم! یہ خیر ہے اور بار بار ضد کرکے مجھ سے یہ کہتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ اس کے لئے کشادہ کردیا جس کے لئے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے سینہ کشادہ ہوئے تھے۔ چنانچہ میں نے قرآن کو کھجور کے پٹھوں اور پتھر کے ٹکڑوں اور لوگوں کے سینوں سے تلاش کرکے جمع کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ سورہ براۃ کی آخری آیت میں نے ابوخزیمہ انصاری کے پاس پائی جو مجھے کسی کے پاس نہیں ملی اور وہ آیت یہ تھی لقد جاءکم رسول من انفسکم

عزمن علیہ ما عنتم" سورہ برأت کے آخر تک، چنانچہ یہ صحیفے حضرت ابوبکر کے پاس رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اٹھا لیا۔ پھر حضرت عمر کے پاس ان کی زندگی میں پھر حضرت حفصہ بنتِ عمرؓ کے پاس رہے۔" (صحیح بخاری باب جمع القرآن)

ایسا عظیم کام زید بن ثابت جیسے کم عمر شخص کے سپرد کرنے پر ممتاز بزرگ صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود بہت ناراض ہوئے۔ اس سلسلہ میں محمد حسین ہیکل یہ روایت نقل کرتے ہیں۔

"مسلمانوں مجھے تو قرآن کریم لکھنے سے ہٹا دیا گیا ہے اور ایسے شخص کے سپرد یہ کام کر دیا گیا ہے جو میرے اسلام لانے کے وقت ایک کافر کے صلب میں تھا۔"

"میں نے رسول اللہ کی زبان مبارک سے ستر سے زیادہ سورتیں سن کر یاد کیں لیکن زید بن ثابت اس وقت بچوں کے ساتھ کھیلتے کودتے پھرتے تھے۔ (ابوبکر صدیق اکبر۔ از ہیکل)

اس معاملہ میں سب سے بڑے دعویدار جناب علی بن ابی طالب تھے۔ آپ خود اپنے علم قرآن کے بارے میں فرماتے ہیں۔

"مجھ سے اللہ کی کتاب کے متعلق پوچھو۔ خدا کی قسم میں ہر آیت کے بارے میں جانتا ہوں کہ رات میں نازل ہوئی ہے یا دن میں یا ہموار زمین میں یا پہاڑ پر۔" اس کے راوی ابوطفیل ہیں اور اسے بہت سے مشہور مورخین و مفسرین نے نقل کیا ہے۔ چند نام یہ ہیں۔ ابن سعد طبقات جلد ۲ ص ۲۳۳ شاہ ولی اللہ ازالۃ الخفا مآثر حضرت علی ص ۲۶۸ مطبوعہ مطبع صدیقی بھوپال جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفاء مطبوعہ مطبع محمد لاہور ۱۸۸۷ء، ص ۱۲۶

اور ایک روایت اس طرح نقل کی گئی ہے۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ میں نے علی کو کہتے سنا کہ خدا کی قسم قرآن کی کوئی بھی آیت ایسی نازل نہیں ہوئی جسے میں نہ جانتا ہوں کہ وہ کس سلسلہ میں نازل ہوئی۔ کہاں نازل ہوئی اور کس پر نازل ہوئی، کیونکہ خدا نے مجھے دانا دل اور بولنے والی زبان عطا کی ہے۔ (تاریخ الخلفاء از جلال الدین سیوطی ص ۱۲۶

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب علی بن ابی طالب کے بارے میں یہ فرمایا ہے

"حضرت اُمّ سلمیٰ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ کو کہتے سُنا ہے کہ علی قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علی کے ساتھ ہے۔ یہاں تک کہ یہ دونوں میرے پاس حوضِ کوثر پر وارد ہوں گے۔ (تاریخ الخلفاء صـ۱۱۸)

حضرت علی کو صرف علم قرآن ہی کے بارے میں دعویٰ نہ تھا بلکہ آپ چاروں آسمانی کتابوں پر عبور رکھنے کے دعویدار تھے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

" اہلِ توریت کے لئے توریت سے اور اہلِ انجیل کے لئے ان کی انجیل سے، اہلِ زبور کے لئے ان کی زبور سے اور اہلِ قرآن کے لئے ان کے قرآن سے فیصلے کروں"
(تذکرۃ الخواص از ابن جوز صـ۱۶)

شاہ ولی اللہ ازالۃ الخفاء میں حضرت علی کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں۔

آپ نے قرآن مجید کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں جمع اور مرتب کر لیا تھا لیکن تقدیر نے اس کی اشاعت کا موقع نہ بخشا۔ (ازالۃ الخفاء مقصد دوم مآثر حضرت علی)

خلیفہ وقت اور ان کے مشیرِ خاص حضرت عمر نے علیؑ جیسے شخص کو نظر انداز کر دیا تو یقیناً خاص مصلحتیں ہوں گی۔ جن کے بارے میں وثوق سے تو کچھ نہیں کہا جا سکتا مگر ایک بات واضح ہے کہ یہ اقدام علی بن ابی طالب سے بغض رکھنے کی وجہ سے اور انکی قدر و منزلت عوام کی نظروں میں کم کرنے کے لئے کیا گیا تھا۔

جمع قرآن کو جناب ابوبکرؓ کا بہت بڑا کارنامہ قرار دیا جاتا ہے مگر ہر عمل کے اچھے یا برے ہونے کا دارومدار نیت پر ہوتا ہے اور یہاں خلیفہ کی نیت نیک نہیں تھی۔ لہٰذا نتیجہ بھی اچھا برآمد نہیں ہوا۔ اُمتِ مسلمہ کے ہاتھ میں ایک ایسا قرآن آیا کہ جس کی ترتیب نزول کے مطابق نہ تھی اور وہ قرآن چھوٹ گیا کہ جو نزول کے مطابق تھا اور اس کے حاشیہ پر تشریحی نوٹس بھی تھے۔

خلیفہ ابوبکر کے حکم سے جمع کیا ہوا قرآن:

یہی قرآن آج ہر مسلمان کے ہاتھ میں ہے اور اسی قرآن کو مسلمانوں کا ہر فرقہ اپنے لئے باعثِ نجات سمجھتا ہے مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ اس قرآن کی ترتیب نزول کے مطابق نہیں

ہے، قرآن مکہ میں نازل ہونا شروع ہوا اور تسلسل کے ساتھ مدینہ میں حجۃ الوداع تک سلسلہ جاری رہا ہے مگر موجودہ قرآن میں بعض مکی سورتوں میں مدنی آیات اور مدنی سورتوں میں بعض مکی آیات موجود ہیں۔ علامہ سیوطی تفسیر درمنثور صہ ۶۹ میں فرماتے ہیں۔

"سورت ابراہیم مکی ہے لیکن اس میں کی دو آیتیں جنگ بدر میں نازل ہوئیں"

اور اسی طرح تفسیر کبیر علامہ فخرالدین رازی جلد ۲ صہ ۱۱۸ اور تفسیر درمنثور جلد ۵ صہ ۸۲ مطبوعہ بیروت کے مطابق "ابنِ عباس سے روایت ہے کہ سورہ شعرا مکی ہے لیکن اس کی آخری پانچ آیات مدنی ہیں۔ ابنِ عباس کی ایک اور روایت کے مطابق سورہ لقمان مکے میں نازل ہوئی لیکن اس میں تین آیتیں مدنی بھی ہیں۔ (تفسیر کبیر جلد ۲۵ صہ ۱۳۹، درمنثور جلد ۵ صہ ۱۵۸)

یہ مکی سورتوں میں مدنی آیات کی صرف چند مثالیں ہیں۔ اب مدنی سورتوں میں مکی آیات کی چند مثالیں ملاحظہ فرمایئے۔

سورہ حج مدینہ میں نازل ہوئی لیکن اس کی چار آیتیں مکی ہیں (تفسیر کبیر جلد ۲۳ صہ ۲ درمنثور جلد ۴ صہ ۲۹) سورہ توبہ مدنی ہے لیکن آخری دو آیتیں مکی ہیں (تفسیر کبیر جلد ۱۵ صہ ۲۱۵)

سورہ رعد مدنی ہے مگر اس کی دو آیتیں مکی ہیں (تفسیر کبیر جلد ۱۸ صہ ۲۳، درمنثور جلد ۴ صہ ۴۲)

صرف یہی نہیں کہ ترتیب دینے والے نے بعض آیاتِ قرآنی کے ساتھ یہ سلوک کیا بلکہ ماضی کے واقعات جو کہ ایک تسلسل سے نازل ہوئے تھے ان کے درمیان بعض مقامات پر ایسی آیتیں رکھ دیں کہ جن کا اس واقعہ سے کوئی تعلق نہیں۔ سورہ لقمان کی آیت ۱۳ کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

"اور وہ وقت یاد کر جب لقمان نے اپنے بیٹے سے اس کی نصیحت کرتے ہوئے کہا اے بیٹے خبردار کبھی کسی کو خدا کا شریک نہ بنانا، کیونکہ شرک یقیناً بڑا سخت گناہ ہے"

اس کے بعد آیت ۱۴، ۱۵ رکھ دی گئیں کہ جن کا لقمان کی نصیحت سے کوئی تعلق نہیں اور پھر آیت ۱۶ رکھ دی کہ جو سورہ لقمان کی آیت ۱۳ سے مربوط معلوم ہوتی ہے ملاحظہ ہو اس آیت کا ترجمہ:۔

"اے بیٹا! اس میں شک نہیں کہ وہ عمل اگر رائی کے دانے کے برابر بھی ہو اور پھر وہ کسی سخت پتھر کے اندر یا آسمانوں میں یا زمین میں ہو تو بھی خدا اسے حاضر کر دے گا۔ بے شک خدا بڑا باریک بین واقف کار ہے۔"

اور اس بات کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سورہ احزاب میں آیت ۲۸ سے آیت ۳۴ کے تسلسل میں آیت تطہیر بھی ایک پیوند کی طرح موجود ہے۔ اس آیت کے آگے پیچھے کی آیتیں ازواجِ نبی کے بارے میں ہیں۔ جب کہ آیہ تطہیر علیؑ و فاطمہ حسنؑ اور حسینؑ کے لئے ہے اور اس آیت کو بیچ میں رکھنے کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ ازواجِ نبی کو بھی آیت تطہیر کا مصداق بنا لیا جائے۔

آیات کی ترتیب میں ناسخ و منسوخ کا بھی لحاظ نہیں رکھا گیا۔ بعض جگہ ناسخ کو پہلے رکھا گیا ہے اور منسوخ کو بعد میں، حالانکہ پہلے منسوخ آیت کو رکھنا چاہیئے تھا اور بعد میں اسے منسوخ کرنے والی ناسخ آیت کو، عورت کی عدت کے بارے میں سورہ بقر کی آیت ۲۳۴ میں ارشاد ہوتا ہے۔

ترجمہ:۔ اور تم میں سے جو لوگ بیویاں چھوڑ کر مر جائیں تو یہ عورتیں چار مہینہ دس روز اپنے آپ کو روکیں، اور جب مدت پوری کر لیں تو شریعت کے مطابق جو کچھ اپنے حق میں کریں اس بارے میں تم پر کچھ الزام نہیں اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اس سے باخبر ہے۔"

اس آیت کی رو سے عورت کی عدت کل چار مہینہ دس دن ہے لیکن سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۴۰ اس طرح ہے۔

ترجمہ:۔ اور تم میں سے جو لوگ اپنی بیویاں چھوڑ کر مر جائیں اور اپنی بیویوں کے حق میں سال بھر کے نان نفقہ اور نہ نکالنے کی وصیت کرتا ہے، پس اگر عورتیں خود نکل

کھڑی ہوں تو جائز باتوں سے جو کچھ اپنے حق میں کریں اس کا تم پر کچھ الزام نہیں ہے اور خدا ہر شئے پر غالب اور حکمت والا ہے۔

اس آیت کے مطابق عدت ایک سال معلوم ہوتی ہے۔ دراصل یہ منسوخ آیت ہے جسے ناسخ آیت سے پہلے آنا چاہیئے تھا تاکہ پڑھنے والے کے یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجاتی کہ آگے کی آیت نے پچھلی آیت کو منسوخ کر دیا۔

بعض آیات میں تقدیم تاخیر کے باعث بھی نامناسب صورتحال پیدا ہوئی ہے، سورۃ ہود کی آیت ۴۴ اس طرح ہے۔

ترجمہ:۔ "اور جب حکم دیا کہ اے زمین اپنا پانی جذب کر لے اور اے آسمان تھم جا اور پانی گھٹ گیا اور کام تمام کر دیا گیا اور کشتی جودی پہاڑ پر جا ٹھہری اور ہر طرف پکار دیا گیا کہ ظالم لوگوں کے لئے دوری ہے"۔

اور اس سے اگلی آیت ۴۵ یہ ہے۔

ترجمہ:۔ اور نوح نے اپنے پروردگار کو پکارا اور عرض کی اے میرے رب بیشک میرا بیٹا میرے اہل سے ہے اور تیرا وعدہ حق ہے اور تو سارے حاکموں سے بڑا حاکم ہے"

مضمون کے اعتبار سے اس آیت کو پہلے ہونا چاہیئے۔ اس آیت میں ہے کہ نوح اپنے رب کو پکار رہے ہیں کہ میرے بیٹے کو طوفان سے بچالے اور اس سے پہلے کی آیت میں طوفان کے ختم ہو جانے کا تذکرہ ہے۔ حالانکہ بات یہ مناسب تھی کہ طوفان کے خاتمہ کی آیت سے پہلے بیٹے کو بچانے کی دعا والی آیت ہونی چاہیئے تھی۔

سب سے پہلا اور مشہور سورہ اقرا باسم ربك الذی خلق ہے اسے آخری پارے میں رکھا گیا اور آیت الیوم اکملت آخر میں نازل ہوئی (جیسا کہ اس کے مضمون سے ظاہر ہے) مگر اسے چھٹے پارے میں جگہ دی گئی۔

ہر مسلمان قرآن کو اللہ کی کتاب سمجھتا ہے یہ اسلامی تعلیمات کا سب سے بڑا اور اصل ماخذ ہے۔ اس کی تدوین میں سیاسی مصلحتیں پیش نظر نہیں ہونا چاہیئے تھیں مگر افسوس

کہ ایسا ہوا اور ہمارے سامنے ایک ایسا قرآن آیا کہ جس سے عام قاری فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔
اسے قرآن فہمی کے لئے ان مفسرین کی کتابوں کی طرف دیکھنا پڑتا ہے کہ جو نزولِ قرآن کے
بہت بعد دنیا میں تشریف لائے، حالانکہ قرآن جیسی کتاب کو تو آسان سے آسان بنا کر
پیش کرنا چاہیئے تھا مگر زید سے یہ نہ ہو سکا۔ ان میں تو بس اتنی ہی قابلیت تھی کہ آیاتِ قرآنی
کو تلاش کریں اور تصدیق کے بعد انہیں جمع کرتے جائیں اور خود خلیفہ کو بھی اس بات کا شعور
نہیں تھا کہ اسلام کی بہتری کے لئے ایسا قرآن مرتب ہونا چاہیئے کہ آنے والی نسلیں قرآن کو
اچھی طرح سمجھ سکیں اور اس کی تفسیر و تاویل میں غلطی نہ کریں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ انہیں اسلام
سے اتنی دلچسپی ہی نہ تھی کہ وہ اس انداز سے سوچتے اور اگر سوچتے بھی تو یہ کام زید بن ثابت
یا اور کسی صحابی کے بس کا نہ تھا اور جس کے بس کا تھا (یعنی علی ابن ابی طالب علیہ السلام)
اس سے یہ کام نہیں لیا جا سکتا تھا اس میں بڑی مصلحتیں تھیں مگر جناب علی بن ابی طالب نے
یہ کام بذاتِ خود کیا کیونکہ ان کے دل کو لگی تھی۔ انہیں رسول اللہ نے کل ایمان کہا تھا اور
کہا تھا کہ علی قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علی کے ساتھ ہے۔ رسول اللہ کے اس دنیا سے
رخصت ہوتے ہی علی بن ابی طالب قرآن کی ترتیب اور تفسیر کے کام میں لگ گئے اور جب
یہ قرآن مکمل ہو گیا تو اسے خلیفہ اول کے پاس لائے مگر خلیفہ نے اسے قبول نہ کیا۔ آپ خاموش
گردن جھکائے واپس چلے آئے مگر اتنا کہتے آئے کہ اب تم اسے قیامت تک نہ دیکھ سکو گے
افسوس کہ جناب ابوبکر کی مصلحتوں کے سبب دنیا اس علمی خزانے سے محروم ہو گئی۔ جناب علی مرتضیٰ
کے مرتب کردہ قرآن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کا متن موجودہ قرآن کے متن سے مختلف
نہیں تھا اور فرق یہ تھا کہ جناب علی مرتضیٰ نے قرآن کو تنزیل کے مطابق مرتب کیا تھا اور
تفسیری نوٹس تحریر فرمائے تھے لہٰذا ان کا مرتب کیا ہوا قرآن اِن خامیوں سے پاک تھا کہ جن
کا تذکرہ ہم موجودہ قرآن کے حوالے سے کر چکے ہیں۔

مصحف علی کے بارے میں مفسرین کی رائے :۔

جلال الدین سیوطی الاتقان جلد ۱ صہ ۶۲ پر تحریر فرماتے ہیں کہ جناب علی ابن ابی طالب

نے ترتیب نزول کے مطابق قرآن جمع کیا تھا۔ پہلے اقرأ باسم ربک پھر یاایہا المدثر پھر نون پھر یاایہا المزمل پھر تبت یدا پھر تکویر۔ اسی طرح آخر تک پہلے مکی پھر مدنی۔ اس کے علاوہ اتقان جلد ا ص۵۷ کے مطابق جب جناب رسول خدا نے وفات پائی تو حضرت علی نے جناب ابوبکر کی بیعت سے توقف کیا۔ لہذا ابوبکرؓ نے آپ سے ملاقات کی اور اس توقف کے بارے میں پوچھا تو علی نے جواب دیا کہ خدا کی قسم میں جب تک قرآن جمع نہیں کرلوں گا سوائے نماز کے چادر نہیں اوڑھوں گا۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ حضرت علی کا قرآن تنزیل کے مطابق تھا۔

ان روایتوں کو جلال الدین سیوطی کے علاوہ اور کئی مورخین ومفسرین نے تحریر کیا ہے۔ چند کتابوں کے نام یہ ہیں۔ طبقات ابن سعد ص۳۳۸ جلد ۲۔ تاریخ الخلفاء ص۱۳۱ مطبوعہ دہلی۔ صواعق محرقہ اردو ص۷۳

موجودہ قرآن کو جناب ابوبکر کا کارنامہ قرار دینا ایسا ہی ہے کہ جیسے بے سوچے کچھ کہہ دیا جائے اور جس کی کوئی حقیقت نہ ہو۔ قرآن کو جس ناقص طرح سے مرتب کیا گیا اس کی وضاحت پچھلے صفحات میں کی جاچکی ہے اور حضرت علی نے جس کمال سے قرآن مرتب کیا تھا وہ بھی واضح کیا جاچکا ہے۔ لہذا ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ مسلمانوں کو جناب ابوبکر کے اس کارنامہ پر دادِ تحسین دینے کے بجائے کفِ افسوس ملنا چاہیئے کہ قرآن جیسی کتاب کہ جسے وہ سرمایہ حیات سمجھتے ہیں۔ ایک خوبصورت، قابل فہم اور آسان صورت میں سامنے آنے سے رہ گئی۔ یہ کتاب حضرت علی نے اس طرح مرتب کی تھی کہ آیات کی ترتیب نزول کے مطابق رکھی اور آیات کی شانِ نزول اوقاتِ نزول درج کئے۔ ناسخ ومنسوخ متعین کئے اور کیفیت قرأت بیان کی۔

جمع حدیث حدیث اسلامی تعلیمات کا دوسرا سب سے بڑا ماخذ ہے مگر جناب ابوبکر نے بہت کم حدیثیں روایت کی ہیں۔ مفسرین قرآن کے مطابق تفسیر میں تو آپ کی حدیثیں دس سے زیادہ نہیں ہیں۔ حضرت عائشہ کی ایک روایت کے مطابق جناب

ابوبکر کے پاس پانچ سو حدیثیں جمع تھیں جنہیں انہوں نے نذرِ آتش کر دیا (الفاروق)
آپ دوسروں کو بھی حدیثیں بیان کرنے سے منع کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر کوئی
تم سے کچھ پوچھے تو اسے بتا دیا کرو کہ "کتابِ خدا کافی ہے"۔ اس میں سے حلال و حرام
تلاش کر لیا جائے، مگر ہم حیران ہیں کہ جناب ابوبکر عام لوگوں کو تو یہ مشورہ دیتے ہیں کہ
کتابِ خدا کو کافی سمجھا جائے، مگر آپ نے خود زمامِ حکومت سنبھالتے ہی کتابِ خدا کو
ایک طرف رکھ دیا اور مطلب براری کے لئے صرف حدیث پر انحصار کیا اور ایسی حدیث
پر کہ جس کے راوی بھی آپ خود ہی تھے اور جو قرآن کی واضح آیات کے بھی خلاف تھی۔
ہماری مراد اس موضوع حدیث سے ہے کہ جو بنتِ رسول کے دعوئے فدک کو جھٹلانے
کے لئے پیش کی گئی تھی۔ یعنی نحن معاشر الانبیاء لا نرث و لا نورث
(ہم گروہ انبیاء نہ کسی چیز کے وارث ہوتے ہیں اور نہ کوئی ہمارا وارث ہوتا ہے)

نظامِ حکومت

حضرت ابوبکر کا کوئی نظام حکومت ہی نہیں تھا وہی

قدیم بدویانہ طرز، حد تو یہ ہے کہ بعض اوقات خود ان کی اپنی حیثیت بھی صفر ہو کر رہ جاتی، خاص طور سے حضرت عمر کے سامنے۔ حضرت عمر بعض اوقات حکومتی معاملات میں اس طرح ٹانگ اڑاتے کہ گویا اصل حکمراں وہی ہیں اور جناب ابوبکر ان کے کارندے دراصل حضرت ابوبکر کی خلافت قائم کرنے والے بھی تو عمر ہی تھے۔ دمِ آخر توہینِ رسالت اور عدم فراہمی سامانِ کتابت، سقیفہ میں شورہ پشتی۔ بنتِ رسول کا شکستہ پہلو، درِ بنتِ رسول اور آگ کے شعلے، رسول کے بھائی کے گلے میں رسی اور قتل کی دھمکی۔ آخر یہ سب کچھ کس لئے تھا؟ یقیناً اس لئے کہ ابوبکر تخت پر ہوں مگر حکومت ان کی ہو اور جب ابوبکر کی آنکھ بند ہو جائے تو بلا شرکت غیر مسلمانوں کے حاکم بن جائیں۔ شبلی نعمانی کہتے ہیں کہ اس عہد میں جس قدر بڑے بڑے کارنامے انجام پائے، حضرت عمر ہی کی شرکت سے انجام پائے (الفاروق) ہم کہتے ہیں کہ بڑے کارنامے ہی نہیں بلکہ عمر تو جناب ابوبکر پر پوری طرح چھائے ہوئے تھے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ اور اس کے احکامات کی ان کے آگے کوئی وقعت ہی نہ تھی۔ عیقہ بن حصین اور اقرع بن حابس حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور کہا کہ ہمارے ہاں کچھ شور زمین ہے آپ ہمیں عنایت فرما دیجئے ہم اسے آباد کریں گے۔ حضرت ابوبکر نے حاضرین سے مشورہ کیا۔ لوگوں نے کہا کہ کوئی حرج نہیں دے دیجئے، چنانچہ آپ نے ایک تحریر لکھ دی۔ جس پر صحابہ کرام کی گواہی بھی تھی۔ اس وقت حضرت عمر موجود نہیں تھے مگر جب انہیں اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے اس نوشتہ کو لے کر اس پر تھوک دیا،

اور اس کی تحریر کو مٹا دیا۔ وہ دونوں حضرات جناب ابوبکر کی خدمت میں واپس آ گئے اور پوچھا کہ آپ خلیفہ ہیں یا عمر؟ پھر عمرؓ آ گئے اور جناب ابوبکر پر ناراض ہوئے۔
(ازالۃ الخفاء مقصد دوم)

اس سے ملتی جلتی ایک روایت طبری میں بھی ہے، ملاحظہ ہو

"جب ابوبکر نے شام کی مہم کے لئے لشکر تیار کیا تو سب سے پہلے ایک چوتھائی حصہ پر خالد بن سعید کو امیر مقرر کیا مگر عمر نے اس کو ناپسند کیا اور ابوبکر سے کہا کہ آپ ایسے شخص کو امیر بناتے ہیں جس کے یہ اقوال و افعال ہیں۔ (خالد نے خلافت ابوبکر پر مخالفانہ روش اختیار کی تھی) اور اس پر ابوبکر کو بار بار ٹوکتے رہے۔ آخر کار ابوبکر نے خالد بن سعید کو معزول کر کے یزید بن ابوسفیان کو امیر مقرر کر دیا۔ (تاریخ طبری حصہ دوم صـ۲۲۶ نفیس اکیڈمی کراچی)

جناب عمر خلیفہ کے ہر معاملہ میں دخل کرتے اور اپنی بات منوا لیتے۔ صرف اکا دکا مثالیں ہیں کہ جناب ابوبکر نے ان کے مشورے کو نظر انداز کر دیا۔ دراصل یہ ابوبکرؓ کے لئے بہت دشوار تھا کہ وہ عمر کی بات کو ٹال سکیں۔ سیاست میں تو طاقتور حمایتی کے ناز نخرے اٹھانا ہی پڑتے ہیں۔

حضرت ابوبکر کے بس دو کام تھے اور یہی ان کا نظام حکومت تھا یعنی جہاں جہاں ضروری سمجھو فوجیں بھیجتے رہو اور فوجیں اپنی لوٹ مار کا پانچواں حصہ مدینہ بھیجیں تو انہیں اہل مدینہ میں بانٹ دو ـــــ باقی رہا پوری مملکت کا کاروبار تو وہ ہر علاقہ کے فاتح کی مرضی پر تھا کہ وہ جس طرح چاہے چلائے اور اس کا بھی کوئی انتظام نہیں تھا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ مرکز کو اسکا پورا حصہ پہنچ بھی رہا ہے یا نہیں، اور اگر معلوم بھی ہو جاتا کہ فلاں شخص مال ہڑپ کئے لے رہا ہے تو بھی کچھ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ مشہور صحابی معاذ بن جبل یمن بھیجے گئے، وہاں سے واپس آئے تو بہت سا مال بھی ساتھ لائے اور اس سے اپنی ذاتی تجارت شروع کر دی۔ کہا جاتا ہے کہ معاذ بن جبل پہلے شخص ہیں کہ جنہوں نے مال

خدا میں سے تجارت کی۔ حضرت عمرؓ نے جناب ابوبکر کو مشورہ دیا کہ معاذ کے پاس صرف اس کی ضرورت کے مطابق مال چھوڑ دو، اور باقی لے لو، مگر جناب ابوبکرؓ نے عمرؓ کا یہ مشورہ قبول نہیں کیا، بھلا عمرؓ جیسا شہ زور رکنے والا کب تھا لہذا خود معاذ سے کہا کہ مال تو مال حوالہ کر دو مگر معاذ نے صاف انکار کر دیا۔ (استعاب جلد ا) کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ جناب ابوبکر کا دریائے سخاوت جوش میں آتا (جیسا کہ بادشاہوں کے ساتھ ہوا کرتا تھا) اور لاکھوں کا مال کسی کو بخش دیتے۔

جناب ابوبکرؓ کی علمی حالت

آپ کے زمانہ میں جزیرہ نما عرب کی یہ حالت تھی کہ گنتی کے لوگ لکھا پڑھنا جانتے تھے۔ اسلام سے پہلے خطابت اور شعر و شاعری کا رواج تھا۔ کچھ لوگ توریت و انجیل کے بھی عالم تھے نسب دانی اور تعبیر رویا کو بھی علم کی ایک صورت سمجھ لیجئے کہ اسے بھی اس زمانہ میں اہمیت دی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ اور کچھ فنون تھے کہ جیسے شہسواری، تیراندازی، نیزہ بازی، شمشیر زنی اور کشتی وغیرہ۔ اسلام آگیا تو قرآن و حدیث کا علم سیکھنا ہر مسلمان کا فرض سمجھا جانے لگا۔ کیونکہ یہ تشکیل پذیر اسلامی معاشرے کی ضرورت تھی۔

اگر جناب ابوبکر کی علمی حیثیت کا اندازہ لگانے کے لئے اِن مروّجہ علوم و فنون کو بنیاد بنایا جائے تو آپ صرف نسب دان اور خواب کی تعبیر بتانے والے نظر آئیں گے۔ خطابت میں آپ کی کوئی حیثیت نہ تھی اور شعر و شاعری سے آپ کو بالکل دلچسپی نہ تھی حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ خدا کی قسم ابوبکر نے نہ جاہلیت میں کوئی شعر کہا نہ اسلام میں (تاریخ الخلفاص ۳۲) آپ فنونِ جنگ میں جتنا ماہر تھے وہ آپ کی مختلف جنگوں میں کارکردگی سے ظاہر ہے۔ آپ کے ہاتھ سے کسی کے جسم پر خراش تک نہ آئی۔ کوئی تاریخ یہ نہیں بتاتی کہ آپ نے کسی جنگ میں کسی کو قتل کیا یا کسی کو زخمی بھی کیا ہو۔ رہا آپ کا علم قرآن و حدیث تو وہ بھی حیران کن حد تک کم تھا۔ اس کی وجہ ایک تو یہ تھی کہ آپ کو اپنی تجارتی مصروفیات کی وجہ سے رسول اللہ کی صحبت کم ہی میسر آئی تھی، اور آپ کا قیام بھی بیرونِ مدینہ سنخ میں تھا اور دوسری وجہ علم و ادب سے عدمِ دلچسپی تھی، اگر آپ خلیفہ نہ بنتے تو شاید آپ کے علم قرآن و حدیث پر پردہ پڑا رہتا مشکل یہ ہوئی

کہ آپ نبی کے خلیفہ تو بن بیٹھے مگر وارث علم نبی نہ تھے بلکہ بعض ممتاز صحابہ کرام سے بھی آپ کا علم قرآن و حدیث کم تھا جب قرآن و حدیث کا کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو آپ ممتاز صحابہ کرام کی طرف دیکھتے۔ مشہور بات ہے کہ آپ دادی کی میراث کے بارے میں نہیں جانتے تھے تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ میں ہے کہ حضرت ابوبکر کے پاس ایک مرنے والے کی دادی آئی اور اس کی میراث سے حصہ چاہا تو ابوبکر نے جواب دیا کہ میں نہ کتاب خدا میں سے تیرے لئے کوئی حکم پاتا ہوں اور نہ یہ جانتا ہوں کہ رسول خدا نے تیرے لئے کوئی بات فرمائی ہے اور لوگ اس سے غافل ہو گئے۔ اس پر مغیرہ بن شعبہ کھڑے ہو گئے اور کہا کہ میں نے سنا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم دادی کو میراث میں سے چھٹا حصہ دلواتے تھے۔ یہ سن کر جناب ابوبکرؓ نے کہا کہ تمہارا ہم خیال کون ہے تو محمد بن سلمہ نے اس کی گواہی دے دی۔ چنانچہ جناب ابوبکرؓ نے حکم دیا کہ اس عورت کو چھٹا حصہ دیا جائے۔

علامہ مسعودی مروج الذہب جلد ۲ میں رقمطراز ہیں کہ جناب ابوبکر کو بوقت رحلت اس بات کا شدت سے احساس تھا کہ کاش وہ دادی کی میراث کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتے۔

کنز العمال جلد ۶ کے مطابق جناب ابوبکر پھوپھی اور خالہ کی میراث نہیں جانتے تھے آپ فرمایا کرتے تھے کہ کاش میں نے رسول اللہ سے پھوپھی اور خالہ کی میراث پوچھ لی ہوتی اور اسی کتاب کی تیسری جلد میں ہے کہ "ابوبکرؓ کے سامنے ایک لواطہ کے مجرم کو لایا گیا تو آپ نے بہت سے صحابہ کو جمع کر کے ان سے مشورہ کیا اور پھر اس کے زندہ جلانے کا حکم دیا"۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جناب ابوبکرؓ کو لواطہ کی حد بھی معلوم نہیں تھی۔

اب ہم اس سلسلہ کی ایک حیرت انگیز بات پیش کرتے ہیں۔ جناب شاہ ولی اللہ ازالۃ الخفاء میں تحریر فرماتے ہیں؛

ابن عمر سے مروی ہے کہ یہود حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور کہا کہ اپنے صاحب کا حلیہ بیان کرو۔ حضرت ابوبکر صدیق نے کہا کہ اے گروہ یہود میں ان کے ساتھ غار میں

اس طرح تھا جیسے کہ یہ دو انگلیاں ہیں اور ہیں ان کے ساتھ کوہ حرا پر چڑھا ہوا تھا تو میری کمر آپ کی کمر مبارک سے ملی ہوئی تھی لیکن آپ کا وصف بیان کرنا دشوار ہے، یہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہو سکتا ہے۔ ان کے پاس جاؤ۔ وہ لوگ حضرت علی بن ابی طالب کے پاس آئے اور کہا۔ اے ابوالحسن ہم سے اپنے چچا کے بیٹے کا وصف بیان کرو (ازالۃ الخفاء، اردو، مقصد دوم صفحہ ۵۳۶ مآثر علی بن ابی طالب)

حضرت علی بن ابی طالب نے بڑی شان سے جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیۂ مبارک، آپ کی صفات، یہاں تک کہ آپ کے استعمال میں آنے والے جانوروں اور اشیاء کے نام بھی بتا دیئے (تفصیل ازالۃ الخفاء میں دیکھئے)۔ ہم حیران ہیں کہ ایسا شخص کہ جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے قریبی دوست تھا اس نے رسول اللہ کا بچپن، جوانی، بڑھاپا غرض کہ ہر دور دیکھا تھا اور قریب سے دیکھا تھا ہمیشہ سے بڑی دوستی تھی عشقِ رسول میں سب سے بڑھ کر تھا پھر کیا بات تھی کہ اس نے اپنے آپ کو وصفِ رسول بیان کرنے سے عاجز پایا۔ کیا وہ فصاحت و بلاغت نہیں تھی کہ شانِ رسول بیان کرتے یا شانِ رسول سے واقف ہی نہ تھے۔

حضرت ابوبکرؓ کی اخلاقی حالت

ایک ایسے شخص کے بارے میں کہ جسے مسلمان رسول اللہ کے بعد کائنات کا افضل ترین انسان سمجھتے ہیں کے اخلاق کے بارے میں یقیناً بہترین توقعات وابستہ کی جاسکتی ہیں مگر تاریخ کچھ اور کہتی ہے یہ باتیں یقیناً ایک مسلمان قاری کے لئے استعجاب اور پریشانی کا باعث ہوں گی، مگر کیا کیا جائے مجبوری ہے!

گالیاں بکنا استقبت عقیل بن ابی طالب و ابوبکر قال وکان ابوبکر سبابا.
یعنی عقیل بن ابی طالب اور ابوبکر میں گالم گلوچ شروع ہوئی اور ابوبکر بڑی گالیاں دینے والے تھے (تاریخ الخلفاء ص۳۱ مطبوعہ در مطبع محمدی لاہور)

حدیبیہ کے موقع پر کفار مکہ کی طرف سے ایک شخص عروہ بن مسعود رسول اللہ صلعم سے گفت گو کے لئے آیا۔ اس نے اپنی گفت گو کے دوران کہا۔
میں تمہارے ساتھ ایسے لوگ اور ایسے مختلف آدمی دیکھ رہا ہوں جو بھاگ جانے کو زیادہ ترجیح دیتے ہیں۔ سنو وہ تمہیں میدان جنگ میں اکیلا چھوڑ دیں گے۔ حضرت ابوبکر نے سن کر عروہ سے کہا کہ امصص بظر اللات، "لات" بمعنی بت، "بظر" یعنی عورت کی شرم گاہ کا حصۂ گوشت (بظر کے معنی علامہ ابن حجر نے یہ لکھے ہیں کہ ختنہ کرنے کے بعد عورت کی شرم گاہ میں جو حصہ رہ جاتا ہے اس کو بظر کہتے ہیں) امصص بمعنی چوس، اور یہ جملہ بہت بری گالی کے طور پر کہا جاتا ہے (صحیح بخاری جلد دوم پ۱۱ ص۱۳ مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور)
امصص ببظر اللات کا با محاورہ ترجمہ اس طرح ہوگا۔ "ابے جا لات کا ... چوس"
جناب ابوبکر کے پاس ایک شخص نے آکر تقدیر کے بارے میں ایک مسئلہ دریافت کیا ملاحظہ ہو۔ عن ابن عمر قال جاء رجل الی ابی بکر قال أرأیت الزنا بقدر، قال نعم

قال اللہ قدرہ علیّ ثم یعذبنی۔ قال نعم یا ابن اللخناء اما واللہ لو کان عندی انسان امرت ان یجاء انفک

ترجمہ:۔ ابن عمر سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابوبکر کے پاس آکر کہا کہ کیا آپ کے نزدیک زنا تقدیر کا کام ہے جناب ابوبکر نے جواب دیا کہ ہاں۔ اس نے کہا کہ کیا اللہ ہی نے اسے میری تقدیر میں لکھا ہے اور پھر وہی مجھے عذاب دے گا۔ ابوبکر بولے ہاں اے لخنا کے بیٹے (انوار اللغتہ کے مطابق ابن اللخنا ایسی عورت کے بیٹے کو کہتے ہیں کہ جس کا ختنہ نہیں ہوا یا جس کی شرم گاہ بدبو دار ہو) خدا کی قسم اگر اس وقت میرے پاس کوئی بھی آدمی ہوتا تو میں حکم دیتا کہ تیری ناک کچل دی جائے۔ (کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۸۵ تاریخ الخلفاء صفحہ ۶۵ مطبوعہ در مطبع محمدی لاہور)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بد کلامی اور بسیار گوئی آپ کی سرشت میں داخل تھی اور گالی بکنے کی عادت اتنی پختہ ہو چکی تھی کہ اسلام کی تعلیمات اور رسول اللہ کی صحبت (چاہے وہ کبھی کبھار ہی سہی) بھی اس قبیح عادت سے ان کا پیچھا نہ چھڑا سکی۔ آپ کو ان باتوں کا بڑا احساس تھا اور آپ دل سے چاہتے تھے کہ یہ عادتیں چھوٹ جائیں مگر اپنی زبان سے مجبور تھے اور کبھی کبھار تو آپ اس بات پر جھنجلا اٹھتے۔ جناب شاہ ولی اللہ ازالۃ الخفاء مقصد دوم مآثر ابوبکر صدیق میں لکھتے ہیں "ایک روز حضرت عمر فاروق حضرت صدیق کی خدمت میں حاضر ہوئے، دیکھا کہ آپ اپنی زبان کھینچ رہے ہیں۔ حضرت عمر فاروق نے کہا جانے دیجئے اللہ آپ کی مغفرت کرے گا۔ حضرت صدیق نے فرمایا۔ اس نے مجھے بہت مہالک میں ڈالا ہے" کبھی اپنی بسیار گوئی سے اس قدر پریشان ہو جاتے کہ اپنے منہ میں کنکریاں رکھ لیتے اور سوچتے کہ جب تک یہ منہ میں رہیں گی اس وقت تک تو وہ زبان کی ہلاکت خیزیوں سے محفوظ رہیں گے۔ اس روایت کو بھی جناب شاہ ولی اللہ نے نقل کیا ہے۔ احیا العلوم امام غزالی کے حوالے سے۔

رسول کی آواز پر آواز بلند کرنا | قرآن مجید کی یہ آیت یعنی اے ایمان والو

نبی کی آواز پر اپنی آواز کو بلند نہ کرو۔ مفسرین کی رائے میں یہ آیت جناب ابوبکرؓ و عمرؓ کیلیے نازل ہوئی تھی۔ ترمذی جلد ۲، ص۲۷ کے مطابق جناب ابوبکر و عمر رسول اللہؐ کے حضور کسی مسئلہ پر الجھ پڑے اور اس جھگڑے سے بہت زیادہ شور ہوا۔ چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی۔

عمرؓ کی داڑھی اور ابوبکرؓ کا ہاتھ عمرؓ نے کہا کہ انصار نے آپ سے درخواست کی ہے کہ آپ ان کا امیر کسی اور ایسے شخص کو مقرر کریں جو عمر میں اُسامہ سے بڑا ہو۔ یہ سن کر تو ابوبکر جو بیٹھے ہوئے تھے، غصے سے اچھل پڑے اور بڑھ کر انہوں نے عمر کی داڑھی پکڑ کر کہا۔ اے ابن الخطاب اللہ تمہاری ماں کا بُرا کرے کہ تم مر جاتے۔

(تاریخ طبری حصہ دوم اردو، نفیس اکیڈمی کراچی)

غلام کے ساتھ برتاؤ اسماء بنت ابوبکر بیان کرتی ہیں رسول اللہؐ کے ہمراہ ہم لوگ حج کے لئے گئے۔ ہمارے اسباب کا اونٹ ابوبکر کے غلام کے ساتھ تھا۔ ہم ایک جگہ بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگے کہ وہ آجائے، اتنے میں وہ غلام بغیر اونٹ کے آتا دکھائی دیا تو ابوبکر نے اس سے پوچھا تیرا اونٹ کہاں ہے اس پر اس نے کہا کہ وہ مجھ سے گم ہوگیا۔ یہ سن کر ابوبکر کھڑے ہوگئے اور اسے مارنا شروع کردیا اور کہتے تھے کہ ایک اونٹ تیرے پاس تھا وہ تو نے کھو دیا اور ابھی تک نہیں ملا۔ رسول اللہؐ حضرت ابوبکر کی حالت پر مسکرا دیئے اور کہا ذرا اس احرام باندھے ہوئے کو تو دیکھو کیا کر رہا ہے۔ (درمنثور جلد ۱ ص۲۲۲، مطبوعہ مصر)

اُم المومنین پر ہاتھ اُٹھانا ابوبکر کی بیٹی جنہیں اُم المومنین ہونے کا شرف حاصل تھا مگر اس شرف کے باوجود جناب ابوبکر انہیں ڈانٹتے ڈپٹتے اور کبھی کبھی ان کے لئے بہت ہی بُرے الفاظ استعمال کرتے اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ہاتھ بھی اُٹھ جاتا اور جوتا بھی۔ بی بی عائشہ جناب ابوبکر کی بیٹی ضرور تھیں مگر شادی شدہ تھیں اور پیغمبر اسلام کی بیوی تھیں، لہٰذا بیٹی ہونے کے باوجود جناب ابوبکر پر ان کا احترام لازم تھا ہمیں نہیں معلوم کہ آج کسی شریف اور پڑھے لکھے گھرانے میں جوان بیٹی پر ہاتھ اٹھانے

کو بُرا نہ سمجھا جاتا ہو، اور شادی شدہ بیٹی کے ساتھ یہ برتاؤ تو بہت ہی بُرا ہے، بڑی عجیب غریب بات کہ جناب ابوبکر جنہیں بعدِ رسول کائنات کا افضل ترین انسان سمجھا جاتا ہے ان سے ام المومنین کا احترام تو کیا ہوتا وہ تو انہیں جوتے لگانے سے بھی باز نہیں آتے تھے۔

ایک مرتبہ جب حضرت عائشہ پر ایک خاص تہمت لگائی گئی تو رسول اللہؐ کو بڑا قلق ہوا۔ آپ بی بی عائشہ سے کچھ عرصہ ناراض رہے اور جب راضی ہوئے تو ان سے ملنے اپنی سسرال گئے کیونکہ رسول اللہؐ سے ناراضگی کے بعد آپ میکہ بیٹھ گئی تھیں۔ رسول اللہؐ نے پیار سے ہاتھ پکڑنا چاہا تو بی بی عائشہ نے کچھ گستاخانہ انداز اختیار کیا تو جناب ابوبکر نے جوتی نکال لی (تفسیر دُرِ منثور کے مطابق)

"جناب عائشہ فرماتی ہیں کہ میری اس حرکت پر ابا نے اپنی جوتی نکالی کہ اس سے مجھے ماریں مگر اماں نے انہیں روک دیا۔" (تفسیر درِ منثور جلد ۵ صہ ۳۱)

ایک مرتبہ جناب عائشہ رسول اللہؐ سے لڑ جھگڑ رہی تھیں، چنانچہ جناب ابوبکر نے حضرت عائشہؓ کے رُخسار پہ ایک طمانچہ مارا اور کہا کہ تو رسول اللہؐ سے کہتی ہے کہ میانہ روی اختیار کیجیے۔ حضرت عائشہ کی ناک سے خون نکل کر ان کے کپڑوں پر بہنے لگا۔

(کنز العمال جلد ۵ صہ ۱۱۹)

ایک مرتبہ جناب ابوبکر رسول اللہؐ صلعم کے پاس تشریف لائے ابھی دروازہ پر پہنچے ہی تھے کہ حضرت عائشہ کی بلند آواز سنائی دی تو حضرت ابوبکرؓ گھر میں داخل ہوئے اور کہا کہ اے اُمِ رومان کی بیٹی اور انہیں پکڑ لیا اور کہا تو رسول اللہؐ صلعم پر آواز بلند کرتی ہے تو پھر رسول اللہؐ دونوں کے درمیان حائل ہو گئے۔

(مسند احمد بن حنبل جلد ۴، صہ ۲۲۵)

فضائلِ ابوبکرؓ

وہ صحابہ کرام کہ جنہیں جناب علی بن ابی طالب کے سیاسی حریف ہونے کا فخر حاصل تھا کے حق میں بنوامیہ کی سرپرستی میں خوب خوب حدیثیں گھڑی گئیں، محدثین نے دوسری حدیثوں کی طرح سند کی بنیاد پر ان کی بھی درجہ بندی کی اور ایک سے ایک مہمل حدیث کو بھی ثقاہت کا درجہ دے دیا، اور آج کا لکھنے والا اور واعظ انہی حدیثوں کے سہارے ان حضرات کی سیرت گری کو اپنے ایمان کا جز و سمجھتا ہے

ہم یہاں صواعقِ محرقہ جو رد شیعت میں سب سے بڑی کتاب سمجھی جاتی ہے سے چند حدیثیں نقل کرتے ہیں۔

ابونعیم نے بیان کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جب میں اور ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ فوت ہو جائیں تو اگر تجھے مرنے کی استطاعت ہو تو مر جانا"

(برقِ سوزاں ترجمہ صواعقِ محرقہ، مترجم اختر فتحپوری صـ۲۷۴)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک عثمانؓ کے دور کے بعد یہ دنیا رہنے کے قابل نہ رہ گی، حدیث وضع کرنیوالے نے یہ بھی نہیں سوچا کہ نبیؐ تو زندگی کا پیغام دیتا ہے۔ ہر حال میں جینے کا حوصلہ عطا کرتا ہے۔ حالات کے مطابق زندہ رہنے کا سلیقہ سکھاتا ہے مجازاً بھی مرنے کی ترغیب نہیں دیتا مگر اس نے صرف یہ سوچا کہ اس حدیث کے وضع کرنے سے خلفائے ثلاثہ کے دور کی حیات آفرینی پر رسول اللہ کی مہر تصدیق لگ جائیگی

طبرانی نے حضرت معاذ سے بیان کیا ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میں نے دیکھا کہ مجھے ایک پلڑے میں ڈالا گیا ہے اور میری اُمت دوسرے پلڑے میں ڈالی گئی ہے تو میں اس کے برابر رہا ہوں۔ پھر ابوبکر ایک پلڑے میں اور میری اُمت دوسرے پلڑے میں

ڈالی گئی تو ابوبکرؓ امت کے برابر رہا۔ پھر عمر ایک پلڑے میں اور میری اُمت دوسرے پلڑے میں ڈالی گئی تو عمرؓ امت کے برابر رہا۔ پھر عثمان ایک پلڑے میں اور میری اُمت دوسرے پلڑے میں ڈالی گئی تو عثمان میری اُمت کے برابر رہا۔ پھر اس کے بعد ترازو کو اُٹھا لیا گیا (برقِ سوزاں ص۲۵۲)

چلئے چھٹی ہوئی۔ جناب رسولِ خدا اور ابوبکرؓ و عمرؓ اور عثمان کا درجہ برابر ہو گیا شیعہ بیچارے مفت میں بدنام ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب کا درجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کر دیتے ہیں۔ اب ایسی حدیثیں بھی ملاحظہ فرمائی جائیں کہ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جنابِ ابوبکر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بلند درجہ پر فائز تھے۔ ملاحظہ ہو:۔

"(ابن زنجویہ کے مطابق) حضور علیہ السلام کے پاس جبرائیل علیہ السلام نے آ کر اطلاع دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حضرت ابوبکر کے ساتھ مشورہ کرنے کا حکم دیا ہے

(برقِ سوزاں ص۱۲۹)

ابنِ سعد نے ابنِ شہاب سے بیان کیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک خواب دیکھا اور اسے حضرت ابوبکر کے پاس بیان کیا۔ آپ نے فرمایا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں اور آپ ایک مقام کی طرف سبقت کر رہے ہیں اور میں ڈھائی سیڑھیاں آپ سے آگے ہوں حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو وفات دیکر اپنی رحمت اور مغفرت میں لے لے گا اور میں آپ کے بعد ڈھائی سال زندہ رہوں گا

(برقِ سوزاں ص۱۳۱)

پہلی حدیث کے مطابق جناب رسولِ خدا کو باقاعدہ حکم دیا جاتا ہے کہ وہ ابوبکر سے مشورہ کریں۔ حدیث وضع کرنے والے کے پیشِ نظر رسول اللہ کا احترام تو یقیناً نہ تھا کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو آنحضرتؐ سے ایک غلط بات منسوب ہی کیوں کی جاتی، مگر ہم حیران ہیں ان مسلمانوں پر کہ جو ایسی روایتوں کو نقل کرتے ہیں۔ شائد وہ یہ سمجھتے ہوں کہ یہ بات

اس لئے صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ مسلمان اپنے امور باہمی مشورے سے انجام دیتے ہیں تو ہم یہ عرض کریں گے کہ یہ ایک عمومی حکم ہے اسکی بنیاد پر ایک ایسے حکم کو اللہ کا حکم قرار نہیں دیا جا سکتا کہ جس میں اللہ اپنے رسول سے کسی مخصوص شخص کا نام لے کر (جب کہ وہ غیر معصوم بھی ہو) مشورے کا حکم دے۔

دوسری روایت تو پہلی سے بھی زیادہ عجیب ہے کہ اللہ کا رسول اپنے خواب کی تعبیر ایک عام آدمی سے دریافت کر رہا ہے (واضح رہے کہ مسلمانوں کے نزدیک ابوبکر کی عظمت صحابیٔ رسول ہونے کی وجہ سے تھی) اور وہ ایسی تعبیر دے رہا ہے کہ جو مستقبل میں حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئی، یعنی جناب ابوبکر حضرت رسولِ خدا کی وفات کے بعد کل ڈھائی برس زندہ رہے اگر واقعی آپ نے کوئی ایسی پیش گوئی کی ہوتی تو اس کا ہر اہم اور مناسب موقعہ پر چرچا ہوتا۔ جب کہ اس تعبیر رویا کا تاریخ میں کہیں تذکرہ نہیں ہے

اب عصمتِ ابوبکر کے بارے میں ایک حدیث ملاحظہ ہو:۔

"اللہ تعالیٰ آسمان پر سے اس بات کو پسند نہیں کرتا ہے، ابوبکرؓ زمین پر غلطی کرے اور ایک روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے کہ ابوبکرؓ غلطی کرے۔ اس روایت کے رجال ثقہ ہیں" (برقِ سوزاں ص ۲۵۱)

ہم حیران ہیں کہ اس حدیث کا کیا مفہوم لیں؟ اگر یہ مفہوم لیا جائے کہ چونکہ اللہ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ ابوبکر غلطی کرے تو ابوبکرؓ نے یقیناً کوئی غلطی نہیں کی ہوگی۔ تو پھر سُنی عقیدے کے خلاف ابوبکر کو معصوم سمجھنا پڑے گا۔ یا پھر یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو یہ چاہتا رہا کہ ابوبکرؓ کوئی غلطی نہ کرے مگر ابوبکرؓ اللہ کی مرضی کے خلاف غلطی کرتے رہے اور تاریخ سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ آپ غلطیوں پر غلطیاں کرتے رہے اور وقتِ آخر اپنی کئی غلطیوں کا اعتراف بھی کیا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی گرفتار ابوبکرؓ نے یہ حدیث عصمتِ علیؑ بن ابی طالب والی روایتوں کی چوٹ پر گھڑی، اور دلچسپ بات یہ ہے کہ اسے ثقہ بھی سمجھ لیا گیا۔ ہر ہوشمند

آدمی یقیناً اس ثقہ حدیث سے عبرت حاصل کرے گا اور فضیلتِ ابوبکر کے سلسلہ احادیث کی ثقاہت کے معیار کو پالے گا۔

آخر میں ایک دلچسپ حدیث :-

"ابنِ عساکر نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ بدر کے روز فرشتوں نے ایک دوسرے سے مل کر کہا کیا تم نہیں دیکھتے کہ ابوبکرؓ چھپر میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں"۔ (برقِ سوزاں صفحہ ۱۲)

چھپر والی بات کا تذکرہ ہم جنگ بدر کے موقع پر کر چکے ہیں یہاں یاد دلاتے چلیں کہ بدر کے دن جناب رسولِ خدا کے قیام کے لئے ایک چھوٹا سا چھپر ڈال دیا گیا تھا، اور جناب ابوبکر نے یہ مناسب سمجھا کہ وہ میدانِ جنگ میں دشمن سے لڑنے کے بجائے رسول کے پاس چھپر میں قیام فرمائیں، چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا، مگر یہ کون سی ایسی ادا تھی کہ فرشتوں کو ایسی پسند آئی کہ وہ عبادتِ الٰہی کو چھوڑ کر حیرت و استعجاب کے عالم میں ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ دیکھو ابوبکر رسول اللہ کے ساتھ چھپر میں بیٹھے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو فرشتوں کا حیرت و استعجاب کسی جذبہ استحسان کی وجہ سے نہ تھا بلکہ حیرت اس پر تھی کہ تمام جانثارانِ رسول تو میدان میں بازارِ کارزار گرم کئے ہوئے ہیں۔ زخم لگا رہے ہیں اور زخم کھا رہے ہیں قتل کر رہے ہیں اور قتل ہو رہے ہیں اور یہ ہیں کہ رسول اللہ کے ساتھ گوشۂ عافیت میں بیٹھے ہیں ہم نے اس چھپر کو گوشۂ عافیت اس لئے قرار دیا کہ یہاں تک دشمن کا پہنچنا اسی وقت ممکن تھا کہ جب کل جانثارانِ رسول میدان چھوڑ جاتے یا سب کے سب شہید ہو جاتے۔

○○○

حاصلِ کلام

حاصلِ کلام یہ ہے کہ رسول اللہؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی ان کے جگر کے ٹکڑوں یعنی علیؑ اور فاطمہؑ کے ساتھ جو ظالمانہ اور شرمناک سلوک روا رکھا گیا۔ اس کی مثال تاریخِ انبیاءؑ میں نہیں ملتی۔ دراصل ان کے ساتھ ہونے والا ظلم اسلام پر ظلم تھا۔ جناب عمر بن خطاب کی خانہ زہراؑ پر یلغار اسلام پر یلغار تھی۔ ان کی لگائی ہوئی آگ نے درِ بتول کو گرایا تو اسلام کو بھی آگ لگنے کے سامان پیدا ہو گئے۔ علیؑ بن ابی طالب کو خلافت سے محروم کیا تو اسلام صحیح جانشینِ رسولؐ سے محروم ہو گیا۔

عمرؓ بن خطاب کے یہ مظالم اپنے دوست جناب ابوبکر کی خلافت کے لئے تھے اور وہ بھی اس اُمید پر کہ ان کے بعد خلافت انہی کی طرف آئے گی۔

خلافت کی اصل کہانی سقیفہ بنو ساعدہ سے شروع ہوتی ہے مگر اس کی منصوبہ بندی حیاتِ رسولؐ ہی میں کر لی گئی تھی۔ جناب ابوبکر اور حضرت عمر شاید اسلام سے وابستہ ہی سقیفہ بنو ساعدہ میں جانے کے لئے ہوئے تھے۔

ان حضرات کی بیٹیاں یعنی عائشہ بنت ابی بکر اور حفصہ بنت عمر جو کہ حرمِ رسولؐ میں داخل تھیں انھیں بھی اس منصوبہ بندی میں ایک اہم رول ادا کرنا تھا، لہٰذا جناب ابوبکرؓ نے بڑی عجلت میں جناب عائشہ کا نکاح جناب رسولِ خداؐ سے کر دیا تھا، حالانکہ آپ کی عمر ۶ یا ۹ برس تھی اور ہجرت کے بعد ان کی رخصتی میں بھی بڑی جلدی کی۔ جناب عمر کی کوئی غیر شادی شدہ بیٹی نہ تھی، چنانچہ جب حفصہ بیوہ ہوئیں تو جناب عمرؓ نے بھی انہیں حرمِ رسولؐ میں داخل کرنے میں دیر نہیں کی اور اس طرح یہ حضرات خانۂ رسولؐ میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے۔

جناب ابوبکرؓ کے بارے میں کچھ یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ آپ جناب رسولِ خداؐ کے ساتھ

ہر وقت کے اٹھنے بیٹھنے والے تھے، حالانکہ ایسا نہ تھا۔ خاص طور سے ہجرت کے بعد تو آپ شہر مدینہ میں رہے تک نہیں۔ آپ کا قیام مضافات مدینہ کی ایک بستی سنح میں تھا۔ مدینہ آتے تو دن بھر تجارتی مصروفیات میں گذارتے، رات کو واپس سنح تشریف لے جاتے۔

حیاتِ رسول میں آپ نے اسلام کی کوئی قابلِ ذکر خدمت انجام نہیں دی۔ جہاد جو سب سے بڑی خدمت ہے اس میں حصہ لیا تو اس طرح کہ نہ خود قتل ہوئے نہ دوسروں کو قتل کیا مشہور مقتولین کے قاتلوں کی فہرست میں کہیں ان کا نام نہیں ہے

بدر میں پہلوئے رسولؐ میں چھپر تلے نظر آتے ہیں، اُحد میں مفرورین کی فہرست میں نام ہے، احزاب میں کوئی اجتماعی معرکہ ہوا ہی نہیں، انفرادی طور سے عمرو ابن عبد ود نے للکارا تو مارے خوف کے آنکھوں کی پتلیاں پھرنے لگیں، خیبر میں قلعہ قموص فتح کرنے بھیجا گیا تو بھاگ کر واپس آگئے۔

نیابتِ رسول کا ایک موقعہ ملنے والا تھا کہ وحی نازل ہو گئی اور سورہ برأت کی تبلیغ کا جو کام ان کے سپرد کیا گیا تھا وہ واپس لے لیا گیا، حکمِ خدا تھا کہ یہ کام خود رسول اللہ صلعم کریں یا وہ کرے کہ جو ان ہی میں سے ہو، چنانچہ یہ فرض آنحضرتؐ نے اپنے بھائی جناب علی مرتضیٰ کے سپرد کیا۔

رسول اللہ صلعم کا وقتِ آخر قریب ہوا تو ان کی خدمت اور فرماں برداری کے بجائے ابوبکر نے حکم عدولی کرتے ہوئے جیشِ اسامہ سے تخلف کیا اور وقتِ رحلت قربِ رسول کا شرف حاصل کرنے کے بجائے مضافاتِ مدینہ میں آرام فرماتے رہے اور جب رحلتِ رسول کی خبر حضرتِ عمر نے ان تک پہنچائی کہ جلدی آیئے تو فوراً آگئے اور آتے کے ساتھ ہی حجرۂ رسول میں تشریف لے گئے۔ رسول اللہ کے چہرۂ مبارک سے چادر کا کونہ ہٹایا، چہرہ دیکھا اور سیدھے مسجد میں چلے گئے جہاں حضرتِ عمرؓ تلوار ہاتھ میں لئے تاریخ سے زد رام کر رہے تھے۔ جناب ابوبکر آئے تو یہ دلچسپ سین ختم ہوا۔ یہاں سے دونوں بزرگ گوہر مراد کے حصول کی خاطر سقیفہ بنو ساعدہ پہنچے، اور ادھر دوسری طرف حضرت علیؑ بنو ہاشم کے ساتھ رسولؐ

کے کفن دفن میں لگے ہوئے تھے۔

خلیفہ کے انتخاب کی تفصیل ہم مستند حوالوں سے پیش کر چکے ہیں۔ جس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ دنیا میں کہیں کسی دور میں بھی ایسی دھاندلی کو جیسی سقیفہ بنو ساعدہ میں کی گئی انتخاب کا نام نہیں دیا گیا، مگر ہمارے ملک پاکستان میں ایسے انتخاب کہا جاتا ہے اور اس طرح قائم ہونے والی خلافت کے استحکام کے لئے جو طریقہ اختیار کیا گیا اسے جمہوریت کہا جاتا ہے۔ اگر اصل پارٹی (رسول اللہ کا قبیلہ بنی ہاشم اور اس کے سردار علی ابن ابی طالب) کی عدم موجودگی میں ہونے والی ہر ہڑبونگ کے نتیجہ میں خلافت ہتھیانے اور تشدد کے ذریعہ اسے مستحکم کرنے کو جمہوریت کہا جائے تو جمہوریت کی تمام مروجہ تعریفوں کو بدلنا پڑے گا۔ اگر آج بھی مسلمان اسے جمہوریت کہنے پر اصرار کریں تو ہمارا یہ مشورہ ہے کہ وہ پاکستان میں ہونے والی ہر انتخابی دھاندلی کو اپنا ورثہ سمجھ کر قبول کر لیا کریں۔

حضرت ابوبکر کی خلافت اسلام کے اصل وارث کے حق کو غصب کر کے قائم ہوئی تھی اور اس کی بنیاد ظلم پر تھی، لہذا غاصب خلیفہ اپنے دورِ حکومت میں اسلامی اصولوں کی پابندی نہ کر سکا۔ بیرونی پالیسی میں تو خالص سامراجی مزاج کارفرما تھا چنانچہ اب دنیا کے سامنے ایک نیا سامراج ابھر رہا تھا کہ جس کی ابتدائی ہرلنا کیاں بھی کچھ کم نہ تھیں۔

رسول اللہ کے پہلے خلیفہ اور سسرے کے ہاتھوں اولادِ رسول پر زیادتیوں کا دروازہ ایسا کھلا کہ پھر بند نہ ہوا، اسلام اپنے مرکز سے ہٹا تو پھر ہٹتا ہی چلا گیا۔ جس ظلم کی ابتدا پہلی خلافت میں ہوئی تھی، اسکی انتہا خلافت بنو امیہ میں ہوئی۔ یہ ظلم، اسلام اور پیغمبر اسلام کی اولاد دونوں کے ساتھ یکساں طور سے ہوتا رہا۔ تاریخ انبیاء میں مثال نہیں ملتی کہ کسی نبی کے جانشینوں نے اس کے مذہب کا نام لے کر وحشت و بربریت کا ایسا بازار گرم کیا ہو کہ جس کی گرمی بڑھتی ہی گئی۔ جہاں مسلم اور غیر مسلم دونوں، حد تو یہ

ہے کہ اولادِ رسول بھی اس وحشت و بربریت کی نذر ہوتی رہی۔

جناب ابوبکر صرف اپنے ہی دور کی خرابیوں کے ذمہ دار نہیں ہیں بلکہ مستقبل کی ہر اس خرابی کے ذمہ دار ہیں کہ جس کی بناء آپ کے دور میں پڑی۔ یہ جناب ابوبکر ہی تھے کہ جنہوں نے رسول اللہ کے سب سے بڑے دشمن ابوسفیان کی اولاد کیلئے حکومتِ شام کی راہ ہموار کی اور انہی کے نامزد کردہ خلیفہ جناب عمر بن خطاب کے دور میں معاویہ بن ابوسفیان نے قیصری کسریٰ کی شان اختیار کر لی۔

جب خلافت علی بن ابی طالب کے قدموں میں آگئی اور آپ نے اسلام کو اسکی اصل صورت میں واپس لانا چاہا، تو سب سے پہلے بدعنوان گورنروں کو معزول کرنے کا کام شروع کیا۔ چنانچہ آپ نے شام کے گورنر معاویہ کو بھی معزول کیا مگر وہ اس قدر طاقت ور ہو چکا تھا کہ اس نے آپ کے احکامات کی پرواہ نہ کی اور بغاوت پر آمادہ ہو گیا اور حضرت علیؑ سے صفین کے میدان میں ایک خونریز جنگ لڑی۔

حضرت علیؑ کے دور میں اس باغی گورنر نے بڑے انسانیت سوز جرائم کئے، ان کی ایک طویل فہرست موجود ہے۔ اس کا بیٹا یزید تخت خلافت پر بیٹھا تو اسلامی روایات اور تعلیمات کا جو تھوڑا بہت ظاہری پاس و لحاظ اس کا باپ کیا کرتا تھا، وہ بھی اُٹھ گیا۔ یہ صورت حال اسلام کے اصل وارث حسینؑ بن علیؑ سے برداشت نہ ہو سکی، اور آپ مخلصین کی ایک مختصر سی جماعت کے ساتھ اسلام پر قربان ہو گئے۔ اس قربانی میں رسول اللہ کا پورا خاندان اُجڑ گیا، مردوں میں سے صرف حضرت زین العابدینؑ زندہ بچے، پھر یزید بن معاویہ کے بعد مدتوں بنوامیہ کے سفاک بادشاہ خلافتِ رسول کا لبادہ اوڑھے آلِ رسول اور ان کے شیدائیوں سے بدر و احد کا بدلہ لیتے رہے۔

بنوامیہ کے دورِ بربریت کا اندازہ اس قبیلہ کے ایک شریف النفس شہزادے عمر بن عبدالعزیز کی اس فریاد سے لگایا جا سکتا ہے۔

عراق میں حجاج، شام میں ولید، مصر میں قرہ بن شریک، مدینہ میں عثمان بن حیان

مکہ میں خالد بن عبداللہ القسری ـــــ خداوند تری دنیا ظلم سے بھر گئی ہے' اب لوگوں کو راحت دے"۔ (خلافت و ملوکیت از مودودی ص۱۸۷، ابن اثیر جلد ۴ ص۱۳۲)

یہ تو خلیفہ ولید بن عبدالملک کے زمانہ کی حالت تھی، مگر اور دوسرے خلفائے آل مروان بھی کچھ کم سفاک نہیں تھے ان سب کے مظالم قلمبند کئے جائیں تو ایک کتاب تیار ہو جائے حضرت ابوبکرؓ اور ان کے نامزد کردہ خلیفہ عمر کے دور حکومت میں ظلم کی آتی نظیریں موجود تھیں کہ ان کے بعد آنے والا ہر ظالم و غاصب حکمران بڑے اطمینان کے ساتھ ظلم و جور کا بازار گرم رکھتا ـــــ اور یہ سارے سفاک ابوبکرؓ اور عمرؓ کے لائے ہوئے انوکھے سامراج کے ورثہ دار تھے اور ان کے پاس ہر نوعیت کے ظلم کا ایک ہی جواب تھا کہ یہ سب کچھ تو ابوبکرؓ و عمرؓ جیسے یارانِ رسول کر چکے ہیں۔

کتاب کے آخر میں بنتِ رسولؐ شہزادی فاطمہ زہراؑ کا خطاب مسلمانوں کے سامنے ہے اسمیں بی بیؑ کے کرب کو محسوس کیجئے اور اسمیں سموئی ہوئی تاریخ پر غور کیجئے، ہو سکتا ہے کہ آپ ظلم سے نفرت کرنا سیکھ جائیں اور ظالموں کے لئے اللہ کی رضا کے طلب گار نہ ہوں یہ خطاب اسوقت کا ہے جب مہاجرین و انصار کی کچھ عورتیں جناب فاطمہؑ کے مرض الموت کے دوران حاضر ہوئیں اور مزاج پرسی کی۔

آپؑ نے ارشاد فرمایا: بخدا' میں نے اِس حال میں صبح کی کہ اب تمہاری دنیا سے کراہت اور تمہارے مردوں سے نفرت ہو گئی۔ میں نے ان خُموں کو دانت لگانے سے پہلے ہی تھوک دیا (دربارِ ابن ابی قحافہ میں) تجربے کے بعد اُن سے بیزار ہو چکی ہوں۔ اللہ بُرا کرے اس تلوار کا جو کُند ہو چکی ہو اور اس نیزے کا پھٹ چکا ہو اور اُس رائے کا جو فاسد ہو جائے، کتنی بُری عاقبت اُن لوگوں نے اپنے لیے فراہم کرلی۔ اُن پر اللہ کا غضب نازل ہو اور وہ ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہیں۔ لامحالہ پھر ہم نے بھی اُن کی مہار اُن کی گردن میں ڈال دی اور انھیں بالکل منتشر ہونے کے لیے چھوڑ دیا۔ اور ان کا بوجھ اُن ہی کے کاندھوں پر رکھ دیا' اب یہ ظالم قوم خواہ اپنے کان' ناک کٹوائے' پاؤں تڑوائے یا پِس (روند) دی جائے' ہم بری الذمہ ہیں۔ مگر ان پر افسوس ہوتا ہے کہ یہ لوگ رسالت کی بلند چوٹیوں اور نبوت کی مضبوط چہار دیواریوں نیز منزلِ وحی و الہام اور امورِ دین و دنیا کے ماہر سے اس امرِ خلافت کو ہٹا کر کہاں لے گئے۔ وہ آگاہ ہوں کہ اس میں اُن کا کھلا گھاٹا ہے اور خدا کی قسم یہ انتقام ابوالحسنؑ سے اس لیے لیا گیا ہے کہ ان کی تلوار نے اُن لوگوں کے چھلیے بگاڑ دیے تھے' اُنھوں نے اُن لوگوں کو کچل ڈالا تھا' ان کی جنگ اُن لوگوں کے لیے عذاب بن گئی تھی وہ خدا کی راہ میں بالکل شیر بن جاتے تھے۔

واللہ، وہ لگام جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابوالحسن کے سپرد کر کے گئے تھے اگر یہ لوگ چھین جھپٹ نہ کرتے تو یقیناً ابوالحسن اس کو اپنے ہاتھ میں رکھتے اور ایک ایسی معتدل رفتار سے سب کو لے کر چلتے کہ نہ تو سواری کی ناک نکیل سے زخمی ہوتی اور نہ سوار کو کوئی تکلیف و زحمت ہو سکتی۔ وہ ان سب کو ایک وسیع و عریض، پانی کے صاف و شفاف اور اُبلتے ہوئے چشمے پر پہونچا دیتے کہ جس کے دونوں کنارے پانی سے لبریز ہو کر چھلکنے لگتے، انھیں ظاہر و پوشیدہ ہر طرح نصیحت کرتے، خود دولت اکٹھی نہ کر لیتے، دنیا نہ بٹور لیتے، بس ۔۔ س بجھا لیتے اور بھوک مٹا لیتے۔ پھر لوگوں کو معلوم ہو جاتا کہ زاہد کون ہے اور حریص کون، صادق کون ہے، اور کاذب کون؟ واقعتاً اگر اس آبادی والے ایمانداری سے کام لیتے، تقویٰ اختیار کرتے تو آسمان و زمین سے اُن کے لیے برکتوں کے دروازے کھل جاتے۔ مگر ان لوگوں نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جھٹلایا، اور اب وہ جو کچھ کر رہے ہیں، اس کا ان سے مواخذہ ہوگا۔ ان میں سے جن لوگوں نے ظلم کیا ہے وہ اپنے گناہوں کی سزا پائیں گے۔ وہ اللہ کو عاجز و مجبور نہیں کر سکتے۔

اچھا سنو! جب تک تم زندہ ہو دیکھنا کہ زمانہ تم کو کیا کیا عجائبات دکھاتا ہے، اور اگر اس پر تمھیں حیرت نہ ہو تو لوگوں کی باتوں پر حیرت کرنا۔ کاش مجھے معلوم ہوتا کہ ان لوگوں نے کس دلیل و سند پر بھروسہ کیا، کس ستون پر اعتماد کیا، کس رسّی کو پکڑا اور کس کی ذرّیت کے خلاف اقدام کر کے اُن پر حاوی ہو گئے۔ کتنا بُرا ہے ان کا مددگار، کتنا بُرا ہے ان کا ساتھی، اور کتنا بُرا ہے وہ بدلہ جو ظالموں کو ملے گا؟ ان لوگوں نے خدا کی قسم، راہبر کے بدلے راہرو کو اور قائد کے بدلے پیرو کو لے لیا، پھر قوم کے علی الرغم، یہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اُنھوں نے بڑا اچھا کام کیا ہے۔ وہ آگاہ ہوں کہ یہی لوگ فساد برپا کرنے والے ہیں، مگر ان کو محسوس نہیں ہوتا۔ افسوس، وہ شخص جو لوگوں کو نیکی کی طرف ہدایت کرتا ہے وہ اتباع کے لائق ہے، یا وہ شخص جو خود ہدایت نہیں پاتا، جبتک اس کو ہدایت نہ دی جائے! آخر، یہ تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے، تم لوگ کیسا فیصلہ کرتے ہو۔؟

میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ یہ (خلافت کی اونٹنی) تو حاملہ ہو ہی چکی ہے اب اتنا ٹھہر و کہ اس کے بطن سے بچہ پیدا ہو جائے اور اس کے تھن دودھ سے بھر پور ہو جائیں، پھر دیکھنا کہ اس کے تھنوں سے دودھ کے بجائے خونِ تازہ اور زہر ہلاہل کی دھاریں پھوٹ نکلیں گی۔ یہ وہ وقت ہوگا جب غلط کار گھاٹا اُٹھائیں گے اور بعد میں آنے والے اگلے جانے والوں کے عمل کا پھل چکھیں گے۔

احتجاج طوسی بروایت سوید بن غفلہ
شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید معتزلی

التماس سورہ فاتحہ برائے تمام مرحومین

۱] شیخ صدوقؒ
۲] علامہ مجلسیؒ
۳] علامہ ساظہر حسنین
۴] علامہ سید علی نقیؒ
۵] بیگم و سید عابد علی رضوی
۶) بیگم و سید احمد علی رضوی
۷) بیگم و سید رضا امجد
۸) بیگم و سید علی حیدر رضوی
۹) بیگم و سید سبط حسن
۱۰) بیگم و سید مردان حسین جعفری
۱۱) بیگم و سید جبار حسین
۱۲) بیگم و مرزا توحید علی
۱۳) سید حسین عباس فرحت
۱۴) بیگم و سید جعفر علی رضوی
۱۵) سید انعام حسین زیدی
۱۶) سیدہ ما زہرہ
۱۷) سیدہ رضویہ خاتون
۱۸) سید نجم الحسن
۱۹) سید مبارک رضا
۲۰) سید تہنیت حیدر نقوی
۲۱) بیگم و مرزا محمد ہاشم
۲۲) سید باقر علی رضوی
۲۳) بیگم و سید باسط حسین
۲۴) سید عرفان حیدر رضوی
۲۵) بیگم و اخلاق حسین
۲۶) سید ممتاز حسین
۲۷) بیگم و سید اختر عباس
۲۸) سید محمد علی
۲۹) سیدہ رضیہ سلطان
۳۰) سید مظفر حسنین
۳۱) سید باسط حسین نقوی
۳۲) غلام محی الدین
۳۳) سید ناصر علی زیدی
۳۴) سید وزیر حیدر زیدی
۳۵) ریاض الحق
۳۶) خورشید بیگم